© rasailojaraid.com

قرآن حکیم اور مستشرقین

روبی سردار: ریسرچ اسکالر، شعبہ قرآن وسنۃ، جامعہ کراچی

مستشرقین کی تحریک کا مقصد اسلام کی مخالفت کرنا اور دنیا میں اس دین متین کی اشاعت کو روکنا ہے۔ جن مقاصد کے تحتان لوگوں نے یہ راستہ اختار کیا ہے ان کو گزشتہ ابواب میں تفصیل کے سات ھ بیان کر دیا گیا ہے۔

مستشرقین کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ اسلام کے شجرۂ طیبہ کی بیخ کنی کے لیئے ضروری ہے کہ اسلام کی اصل اول قرآن حکیم پر وار کیا جائے۔ ان کو معلو تھا کہ جب تک قرآن حکیم موجود رہے گا اور مسلمانوں کو یہ یقین رہے گا کہ اسی کتاب کی پیروی میں ان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت موجود ہے، اس وقت تک نہ اسلام کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ملت اسلامیہ کو قوت وشوکت سے محروم کیا جا سکتا ہے۔

دراصل قرآن حکیم مستشرقین کو اپنے وجود کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ نظر آتا ہے۔ قارئین کرام نے گزشتہ ابواب میں ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح مستشرقین اور مستعمرین قرآن حکیم کو اپنے لئے چلینج سمجھے تھے اور کس طرح برطانیہ کے ایک سابق وزیر اعظم نے دارالعلوم میں ببانگ دہل اعلان کیا تھا کہ جب تک قرآن مسلمانوں کے پاس موجود ہے، اس وقت تک ہمارا استعماری عزائم کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں۔

مستشرقین نے قرآن حکیم کو اپنے وجود اور اپنے مفادات کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے اس کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا۔ قرآن حکیم کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے انہوں نے مختلف زاویوں سے اس کتاب مبین پر وار کئے۔ انہوں نے بیک زبان ہو کر اعلان کیا کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ یہ حضرت محمد (ﷺ) کی اپنی تصنیف ہے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی تدوین اور حفاظت پر اعتراض کر کے اس کے ایک مستند دستاویز ہونے کا بھی انکار کیا۔ انہوں نے قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت اور اس کی شان اعجاز پر بھی طبع آزمائی کی۔ انہوں نے اس کے مضامین، اس کی ترتیب اور اس کے اسلوب کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ قرآن حکیم کی تعلیمات بھی مستشرقین کے طعن وتشنیع کے تیروں سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ ان ابواب میں ہم انشاءاللہ العزیز مستشرقین کی طرف سے قرآن حکیم پر کئے جانے والے مختلف اعتراضات کا جواب دیں گے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَ ھُوَ الْمُسْتَعَانُ

قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے پر اعتراض

مسلمانوں کا ایمان ہے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے امین فرشتے حضرت جبریل امین کے ذریعے حضرت محمد ﷺ کے قلب اطہر پر ناشل فرمایا۔ اس مقدس کلاس کے الفاظ ومعانی سب الہامی ہیں۔ س مقد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

س کلاس میں انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی ان گنت آیات بینات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مبدأ و معاد کی حقیقت سے بھی آگاہی بخشی گئی ہے۔ انہیں ان کی تخلیق کا مقصد بھی بتایا گیا ہے۔ عالم شہادت اور عالم غیب کی بے شمار حقیقتوں کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے۔ ماضی کے واقعات جن میں بنی نوع انسان کے لیے عبرت کا بے پناہ سامان موجود ہے۔ انہیں بھی اس کتاب مبین میں انتہائی حسین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے اور حیات اخروی کی وہ حقیقتیں جو انسانی ہدایت کے لئے ضروری ہیں۔ ان کو بھی دل نشین انداز میں بیان کر کے انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی لذتوں ہی میں نہ کھو جائے بلکہ اخروی زندگی کی لازوال نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لئے بھی اپنے سفینہ حیات کا رخ متعین کرے۔

مسلمانوں کا ایمان ہے کہ قرآن حکیم اس ہستی کا کلام ہے جو ساری کائنات کی خالق و مالک ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں جو کچھ ہے وہ اس کے علم میں ہے۔ وہ زمانے اور مکان کی پابندی سے موراء ہے۔ وہ مستقبل کو بھی اسی طرح دیکھ رہا ہے جس طرح حال کو دیکھ رہا ہے۔ ماضی بھی اس کی نگاہوں میں اسی طرح واضح ہے جس طرح حال۔ تخلیق کائنات سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہوا ہے یا ہوگا وہ سب اس کی نگاہ قدرت میں ہے۔ اس لئے اس کے کلاف میں غلطی کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا۔

وہ ہستی جو رحیم اور کریم ہے اس نے یہ کلام ہدایت انسان کے لئے نازل فرمایا ہے۔ قرآن نازل کرنے کا مقصد بنی نوع انسان کی فلاح ہے۔ رب قدوس انسان کا اور اس کی فطرت کا خالق ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون سی چیز انسان کے لیے مفید ہے اور کون سی چیز اس کے لئے مضر ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی نفع اور نقصان کو خود ان سے زیادہ جانتا ہے۔

اسی حقیقت کا بیان رب حکیم و علیم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ و اللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ ہ(1)

''اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اور (حقیقت حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

چونکہ اللہ تعالیٰ سے کسی طرز یا کام کا انسان کے لئے مفید یا مضر ہونا پوشیدہ نہیں اس لئے جو کام انسان کے لیے مفید تھے ان کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اس مقدس کلاس میں حکم دیا ہے اور جو کا انسانوں کے لئے مضر تھے ان کاموں سے منع فرم دیا ہے۔

قرآن حکیم اور اس سے پہلے دوسرے آسمانی صحائف نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ عقل انسانی میں گو قدرت نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے پناہ صلاحتیں ودیعت کر دی ہیں لیکن ان تمام صلاحیتوں اور حیران کن قوتوں کے باوجود اس کا دائرہ کار محدود ہے اور وہ عالم انفس و آفاق میں پھیلے ہوئے ان گنت حقائق کے ادراک سے قاصر ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ ہونے کا اعزاز بخشا ہے۔ اس گرانبار فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انسان کو علوم و معارف کے جس سرمائے کی ضرورت ہے وہ صرف عقل کے ذریعے حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنے خلیفہ راضی کی راہنمائی کے لئے صحائف نازل فرمائے۔ اور آخر کار اپنے حبیب لبیب ﷺ پر وہ لازوال کلام نازل فرمایا، جو ان تمام حقائق و معارف کا مجموعہ بھی ہے، جو سابقہ صحف میں بیان ہو چکے تھے اور اس میں علوم و معارف کا ایک ایسا سمندر بھی موجزن ہے جو صرف اسی کلام آخریں کا حصہ ہے۔

اس کلاف مقدس میں جو حقائق بیان ہوئے ہیں یا اس کے ذریعے انسان کو جن احکام کا مکلف بنایا گیا ہے وہ عقل سلیم کو جلا بخشتے ہیں اور فطرت انسانی کو ان میں اپنی بالیدگی کا سامان میسر آتا ہے۔ مسلمان انسانی عقل کی سلامت روی کو پرکھنے کے لئے اس کلام الٰہی کو بطور معیار استعمال کرتے ہیں اور اہل مغرب کی طرح کلاف خداوندی کو عقل کی محدود کسوٹی پر پرکھنے کو وہ نزول وحی کی حکمتوں کے خلاف سمجھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ کو حق سمجھا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم میں بے شمار ایسے مسائل بیان ہوئے ہیں جو عقل انسانی کی حد ادراک سے ماوراء ہیں۔ قرآن میں بے شمار ایسی باتیں بیان ہوئی ہیں جن کا تعلق سائنس کی دنیا سے ہے۔ ایسی باتوں کو سائنسی ترقی کے موجودہ دور میں سمجھنا تو آسان ہے لیکن ساتویں صدی عیسوی کے عربوں کے لئے ان کی تہ تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے قرآن حکیم کے ہر بیان کو حق یقین کیا اور جو بات عقل میں نہ آسکی اسے بھی بلاچون وچرا تسلیم کر لیا اور اسے نہ سمجھ سکنے کو اپنی عقل کا قصور قرار دیا۔

مسلمانوں نے اس کتاب مقدس کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا آئین قرار دیا۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق اسی سے راہنمائی حاصل کی اور اسکے نتیجے میں وہ ساکنان عرب، جو آئین و دستور کی پابندیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے، وہ قانون کی حکمرانی کے علمبردار بن گئے۔ مسلمانوں کو یقین تھا کہ ان کی کامیابی، ان کی عزت و شوکت اور ان کا ملی وقار قرآن حکیم سے وابستہ ہے۔ ان کی تاریخ بھی اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ انہوں نے جب تک قرآن تعلیمات کو اپنی اجتماعی زندگی کا منشور بنائے رکھا، دنیا ان کی عظمتوں اور رفعتوں کو سلام کرتی رہی۔ اور جب انہوں نے اپنی عقل کے بھرو سے پر قرآنی تعلیمات کو غیر ضروری قرار دے کر نظر انداز کر دیا، وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستشرقین کی اکثریت یہودیت اور نصرانیت سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ وجود خداوندی کے بھی قائل ہیں۔ فلاح انسانیت کے لئے آسمانی راہنمائی کی اہمیت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا کلام ہر شک و شبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔

اگر وہ قرآن حکیم کو خدا کا کلام مان لیں تو دین اسلام کی مخالفت کا ان سارا منصوبہ خاک میں مل جاتا ہے۔ قرآن حکیم کو کلام خداوندی مان لینے کے بعد ان کے لئے حضور ﷺ کی رسالت کے انکار کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس صورت میں انہیں قرآن حکیم میں بیان کردہ حقائق پر بھی ایمان لانا پڑتا ہے بلکہ قرآن حکیم نے ان کی جن ملی کوتاہیوں کا پردہ چاک کیا ہے، انہیں ان کا الزام بھی اپنے سر لینا پڑتا ہے۔ قرآن حکیم کو کلام خداندی مان لینا کے بعد انہیں یہودیت اور نصرانیت کا طوق اپنے گلے سے اتار کر غلامی مصطفیٰ کا پٹہ اپنے گلے میں لٹکانا پڑتا ہے۔ انہیں خدا کی لاڈلی مخلوق ہونے کی خوش فہمی کو دور کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ قرآن حکیم کو کلام خداوندی مان لینے کے بعد اہل یورپ کی نسلی برتری کے نظریے کا تاج محل دھڑام سے زمین بوس ہو جاتا ہے۔ اور اس نظریے کے سہارے مغرب نے اپنی سیاسی چودھراہٹ کا جو ڈرامہ چار کھا ہے اس کا ڈراپ سین ہو جاتا ہے۔

اس صورتحال میں مستشرقین کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں: یا تو کلمہ توحید پڑھیں، قرآن کو اپنی زندگی کا منشور بنائیں اور ملت اسلامیہ کا فرد بن کر خدا کی زمین پر خدا کی حکمرانی قائم کرنے کی جدوجہد میں شامل ہو جائیں۔ اور یا پھر قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کا صاف انکار کر دیں خواہ اس انکار کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہو اور انہیں اپنے ضمیر کو کچل کر یہ فیصلہ کرنا پڑے۔ بدقسمتی سے مستشرقین نے یہی دوسرا راستہ اپنایا ہے۔ انہوں نے قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کا صاف انکار کر دیا ہے۔ بلکہ یہی وہ واحد نکتہ ہے جس پر ساری دنیائے استشراقیت متحد ہے۔

جس طرح نصف النہار پر پوری آب و تاب سے چمکتے ہوئے آفتاب کا انکار کرنا کوئی آسان کام نہیں اسی طرح قرآن حکیم، جس کی ضو سے صدیوں ایک عالم جگمگا تا رہا، کا انکار بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ قرآن حکیم کے انکار کی دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو حامل قرآن حضرت محمد ﷺ کی صداقت کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا اور یا پھر قرآن حکیم کی تعلیمات اور اس کے بیانات کو دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کیا جاتا۔

قرون وسطیٰ کے مستشرقین نے پہلا راستہ اختیار کیا اور حضور ﷺ کی صداقت و امانت کے اوصاف جو آپ کے دشمنوں کے ہاں بھی مسلم تھے، ان کا انکار کیا اور آپ کو ہر خامی سے متصف اور ہر خوبی سے عاری ثابت کرنے کے لئے زبان اور قلم کی ساری صلاحتیں وقف کر دیں۔ لیکن دن کو رات کہنے سے وہ رات نہیں بن جاتا بلکہ دن ہی رہتا ہے۔

مستشرقین نے حضور ﷺ کے کردار کو داغدار کرنے کے ذریعے قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن دنیا دیکھ رہی تھی کہ کروڑوں انسان حضور ﷺ کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں لٹکانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں علمی، مادی اور روحانی میدانوں میں اتنی ترقی کی ہے کہ تاریخ انسانی میں اس کے مثال تلاش کرنا فضول ہے۔ وہ جس انسان کامل کے دامن کو کذب، افتاء، جھوٹ، فریب اور دغابازی کے دھبوں سے آلودہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اس کے بارے میں تاریخ یہ بتا رہی تھی کہ ان اخلاقی برائیوں کا الزام تو اس پر ان دشمنوں نے بھی نہیں لگایا تھا جو اس کے خون کے پیاسے تھے اور اس کے دین کی شمع کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کے چراغ کو بھی گل کرنا چاہتے تھے۔

مستشرقین کی طرف سے حضور ﷺ پر جو الزامات لگائے گئے ان کے متعلق تاریخ کے ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوالات اٹھ سکتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جھوٹا اور فریبی شخص اٹھے اور چند سالوں میں پورے جزیرہ عرب کا پا پلٹ دے۔ دشمنوں کو دوست بنادے۔ خون کے پیاسوں کے درمیان اخوت کا مقدس رشتہ پیدا کر دے۔ بچیوں کو زندہ در گور کرنے والوں کو احترام نسوانیت کا چیمپئن بنادے۔ بت پرستوں کو بت شکن بنادے اور توہمات کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو علم کی وہ روشنی عطا کرے جس سے دلوں اور ذہنوں کی دنیا جگمگا اٹھے۔

محمد عربی ﷺ جن کو جھوٹا کہنے کی جرأت نہ نجاشی کے دربار میں قریش کے سفیروں نے کی تھی اور نہ قیصر روم کے دربار میں سردار مکہ ابوسفیان انہیں جھوٹا کہہ سکا تھا، انہیں جھوٹا کہنا مستشرقین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا سکتا تھا، اس لئے بعد کے مستشرقین نے قرآن حکیم کے پیغام میں ایسی چیزیں تلاش کرنا شروع کر دیں جن کے بل بوتے پر اس کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کر کے اسے محمد ﷺ کی تصنیف کہا جا سکے۔

مستشرقین کو عالم اور بے لاگ محقق ہونے کا دعوئ تھا۔ انہیں چاہئے تھا کہ قرآن حکیم کو انسانی کلام ثابت کرنے کے لیا یسے مضبوط دلائل پیش کرتے جو ناقابل تردید ہوتے لیکن قرآن کی اس حیثیت کا انکار کرتے وقت انہوں نے اپنے علمی مقام کو فراموش کر دیا اور قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرنے کے لئے انہوں نے بھی وہی اسلوب اپنایا جو نزول قرآن کے وقت مکہ کے اجڈ عربوں نے اپنایا تھا۔ کفار مکہ کا اسلوب انکار یہ تھا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اِفْکُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (۲)

"اور کہنے لگے کافر کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے۔"

کبھی انہوں نے یہ واویلا مچایا:

وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا (۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کفار نے کہا: یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے۔ اس شخص نے لکھوالیا ہے انہیں اور پھر یہ پڑھ کر سنائے جا تے ہیں اسے ہر صبح وشام (تا کہ از بر ہو جائیں)''

کبھی وہ کہتے:

انما یعلمه بشر (۴)

''کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھایا ہے۔''

اب ذرا مستشرقین کی چند تحریروں کو ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ کس طرح وہ کفار مکہ کی باتوں کو اپنے عیار انہ اسلوب میں بیان کرتے ہیں۔

جارج سیل (Georage Sale) ایک مشہور مستشرقین ہے۔ اس کا ترجمہ قرآن مستشرقین کے لئے ایک اہم علمی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ترجمہ قرآن حکیم کو حضور ﷺ کی تصنیف ثابت کرنے کے لئے ایک تخیل اور فلکاری کی ساری صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔

"Muhammad seems not to have been ignorant of the enthusiastic operation of rhetoric on the minds of men ;for which reason he has not only employed his utmost skil in these his pretended revelation to preserce that dignity and sublimity of style, which might seem not unworthy of the majesty of that being, whom he gave out to be the author of them; and to imitate the prophetic manner of the old testment; but he has not neglected even the other arts of oratory, wherein he succeeded so well, and so strangely captivated the minds of the audience, that several of hiss opponents thought it the effect of whichcraft and enchantment, as he sometimes complains".(۵)

''کلام میں لفاظی حاضرین کے ذہنوں پر جوز بردست اثر ڈالتی ہے، محمد (ﷺ) اس سے بے خبر نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صرف یہ کہ اپنے ان نام نہاد الہامات میں اسلوب بیان کے اس وقار اور رفعت کو قائم رکھنے کے لئے اپنی پوری صلاحیتیں استعمال کی ہیں، جو اس ذات کی شان کے شایان ہو جس کی طرف وہ ان کو منسوب کرتے ہیں۔ اور اس اسلوب کو اختیار کیا ہے جو عہد نامہ قدیم کے پیغمبرانہ اسلوب سے ہم آہنگ ہو سکے۔ بلکہ انہوں نے فن بلاغت کے دیگر اصولوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اور اس میں وہ اس حد تک کامیاب ہوئے اور انہوں نے اپنے مخاطبین کے اذہان کو یوں گرویدہ کیا کہ ان کے کئی مخالفین نے اسے جادو اور سحر کا اثر قرار دیا۔''

یہی جارج سیل اپنی اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتا ہے:

Several of which stories or some circumstances of them are taken from the old and new testment, but many more from the apocryphal books and traditions of

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

the jews and christians of those ages, set up in the koran as truths in opposition to the scriptures, which the jew and christians are charged with having altered, and i am apt to believe that few or none of the relations or circumstances in the koran were invented by Muhammad, as is generally supposed, it being easy to trace the greatest part of them much higher". (٦)

"(قرآن حکیم میں بیان ہونے والی) کئی کہانیاں یا ان کے کچھ حالات عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ جدید سے لئے گئے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کہانیاں ان غیر مستند انجیلوں اور روایات لی گئی ہیں جو اس دور کے یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج تھیں۔ ان کہانیوں کو بائبل کے بیانات کے برخلاف حقائق کی شکل میں قرآن میں پیش کیا گیا ہے۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے صحف سماوی میں تحریف کر دی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ قرآن حکیم میں ایسے بیانات یا حالات یا تو کلیۃً مفقود ہیں یا بالکل کم ہیں جو محمد (ﷺ) نے ابتداء پیش کئے ہوں، جیسا کہ عام خیال کیا جاتا ہے کیونکہ ان بیانات کے اکثر حصے کو قرآن سے پہلے کے مصادر میں آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

جارج سیل قرآن حکیم کے متعلق اپنا آخری فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"That Muhammad was really the author and chief contriever of the Koran is beyond dispute; thought it be highly probable that he had no small assistance in hius design from others, as his countrymen failed not to object to him; however they differed so much in their conjectures as to the particular person who gave him such assistance; that they were not able, it seems, to prove the charge; Muhammad, it is to be presumed, having taken his measures to well to be discovered.

Dr. Prideaux has given the most probable account of this matter, thought chiefly from chirstiasn writers, who generally mix such ridiculous fables with what they deliver, that they deserve not much credit." (٧)

"اس حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن کے مصنف یا اس کتاب کو اختراع کرنے والے محمد (ﷺ) ہیں۔ اگرچہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ اس منصوبے میں ان کو دوسرے لوگوں سے جو مدد ملی وہ کم نہ تھی۔ جیسا کہ ان کے اہل وطن نے ان پر یہ اعتراض کرنے میں کوتاہی نہیں کہ۔ البتہ ان کو اس قسم کی مدد مہیا کرنے والے مخصوص شخص کے تعین میں ان کے مفروضے باہم اتنے متضاد تھے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محمد (ﷺ) کے خلاف اس الزام کو ثابت نہ کر سکے۔ یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے اس معاملے کو خفیہ رکھنے کے لئے اتنے عمدہ اقدامات کئے کہ ان کی وجہ سے اس راز کا انکشاف ممکن نہ تھا۔ ڈاکٹر پریڈو نے اس مسئلے کے ایسی تفصیلات بیان کی ہیں جو زیادہ قرین قیاس ہیں لیکن یہ تفصیلات اکثر عیسائی مصنفین کی تحریروں سے لی گئی ہیں جو اپنے بیانات میں بعض بڑے مضحکہ خیز قصوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کی وجہ سے وہ کسی اعتبار کے قابل نہیں رہتے۔

آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) اپنی کتاب "Islam, Muhammad and his religion" میں اپنے قارئین کو قرآن حکیم کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے:

"The Quran is the scripture of Islam. It is called the Noble Quran, the Glorious Quran, the Mighty Quran, but never the Holy Quran save by modern, Western - educated Muslims who are imitating the title Holy Bible. It contains the substance of Muhammad's deliverances during the twenty odd years of his public ministry. it is clear that he had been preparing a book for his community which would be for them what the old testment was for the jews and the new testament for the Christians, but he died before his books was ready, and what we have in the Quran is what his followers were able to gather together after his death and issue as the corpus of his revelations" (۸)

''قرآن اسلامی صحیفہ ہے۔ اسے قرآن عظیم اور قرآن مجید وغیرہ ناموں سے تو پکارا جاتا ہے لیکن اسے "Holy Quran" یعنی قرآن پاک نہیں کہا جاتا۔ کچھ جدید دور کے مغرب کے تعلیم یافتہ مسلمان "Bible Holy" کے لقب کی نقل کر کے قرآن کو بھی "Holy Quran" یعنی قرآن پاک کہتے ہیں۔ یہ کتاب محمد (ﷺ) کے بیس سالہ دور نبوت کے بیانات کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ محمد (ﷺ) ایک ایسی کتاب کی تیاری میں مصروف تھے جو مسلمانوں کے لئے وہی حیثیت رکھے جو یہودیوں کے لئے عہد نامہ قدیم اور عیسائیوں کے لئے عہد نامہ جدید کی ہے۔ لیکن اس کتاب کی تکمیل سے پہلے وہ فوت ہو گئے اور آج قرآن میں جو کچھ موجود ہے یہ وہ ہے جو ان کے بعد ان کے پیروکاروں نے جمع کیا اور اسے محمد (ﷺ) کے الہامات کے مجموعے کے طور پر شائع کر دیا۔''

ڈبلیو۔ منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) کا انداز بالکل ہی نرالا ہے۔ وہ قرآن حکیم کو انسانی ذہن کی اختراع ثابت کرنے کے لئے بہت دور کوڑی لاتے ہیں۔ کبھی وہ قرآن حکیم کو نزول قرآن کے وقت جزیرہ عرب کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا ردعمل قرار دیتے ہیں۔ کبھی وہ اس کتاب مبین کے حضور ﷺ کے تخلیقی تخیل کا کرشمہ قرار دیتے ہیں اور کبھی قرآن حکیم کے ڈانڈے عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان تمام قلابازیوں میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ ان کی کسی حرکت سے یہ محسوس نہ ہو کہ وہ اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔

ان کے انداز فکر کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے۔ وہ قرآن کو زمانے کے ماحول کا ردعمل ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"It is axiomatic that the new religious movement of islam must somehow or other have risen out of the conditions in Mecca in Muhammad's time. A new

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

religion cannot come into being without a sufficient motive. in the experience of Muhammad and his early followers there must have been some need which was satisified by the practices and doctrines of the embryonic religion. (۹)

''یہ بات مسلم ہے کہ نئی مذہبی تحریک کسی نہ کسی طریقے سے محمد (ﷺ) کے زمانے کے مکہ کے حالات سے ابھری ہوگی۔ نیا دین کسی معقول محرک کے بغیر وجود میں نہیں آتا۔ محمد (ﷺ) اور ان کے ابتدائی پیروکاروں کے تجربے میں ضرور کوئی ایسی ضرورت ظاہر ہوئی ہوگی جس کو اس ناپختہ مذہب کے عقائد اور اعمال کے ذریعے پورا کیا گیا۔''

یہی صاحب ایک اور جگہ قرآن حکیم کو حضور ﷺ کی ذہنی کیفیت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"He had a talent for administration that would have enabled him to handle the biggest operations then carried out in Mecca, but the great merchants excluded him from inner circle His own dissatisfaction made. him more aware of the unsatisfactory aspects of life in Mecca. In these, hidden years, he must have brooded over such matters. Eventually what had been maturing in the inner depths was borught to light." (۱۰)

''محمد (ﷺ) میں اتنی صلاحیت تھی کہ وہ مکہ میں اس وقت کے کسی بڑے سے بڑے کاروباری عمل کا انتظام سنبھال سکتے تھے لیکن مکہ کے بڑے تاجروں نے ان کو کاروبار کے مرکزی حلقے سے خارج کردیا تھا۔ ذاتی اطمینان نے ان کو مکی زندگی میں بے چینی کے پہلوؤں سے آگاہ کردیا۔ اپنی زندگی کے ان غیر معروف سالوں میں انہوں نے ان معاملات پر خوب غور کیا ہوگا۔ آخرکار جو جذبات ان کے باطن کی دنیا میں پرورش پا رہے تھے ان کو ظاہر کردیا گیا۔''

منٹگمری واٹ ایک اور مقام پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ حضور ﷺ پورے خلوص اور دیانتداری سے یہ سمجھتے تھے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس بارے میں ان کے خلوص پر شک نہیں کیا جاسکتا لیکن خلوص اور دیانتداری کے باوجود ان کا یہ خیال غلط تھا کہ قرآن کلام خداوندی ہے۔ مستشرق مذکور کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔

"For Muslim tradition thre quran is thus the word or speech of God, and Muhammad himself must also have regarded it in this way. Moreover he must have been convinced that he was able to distinguish between his own thoughts and the message that came to him from outside himself ----------. To say that Muhammad was sincere does not imply that he was correct in his beliefs. A man may be sincere but mistaken ----------. What seems to man to come fro outside himself, may actually come from his unconscious". (۱۱)

''مسلمانوں کی روایت کے مطابق قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اور محمد (ﷺ) نے خود بھی یہی سمجھا ہوگا۔ مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ محمد (ﷺ) یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ وہ اپنے ذاتی خیالات اور اس وحی میں تمیز کرسکتے ہیں جو خارج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ان پر نازل ہوتی ہے........محمد (ﷺ) کو مخلص کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے عقائد میں ٹھیک راستے پر تھے۔ ممکن ہے ایک آدمی مخلص ہو لیکن اس کے باوجود غلطی پر ہو........انسان جن خیالات کو خارج سے آتا ہوا محسوس کرتا ہے ممکن ہے وہ خیالات دراصل اس کے اپنے لاشعور سے ابھرے ہوں۔

اسلامی تعلیمات پر یہودی اور نصرانی تعلیمات کی چھاپ ظاہر کرنے کی کوشش میں منٹگمری واٹ رقمطراز ہے:

"The earliest passages of the Quran show taht it stands with the tradition of Judaeo - Chistian monotheism with its conceptions of God the creator, of resurrection and judgement, and of revelation. In late passages the dependence on the Biblical tradition becomes even more marked, for they contain much material from the old and new testament". (۱۲)

''قرآن کی ابتدائی آیات ظاہر کرتی ہیں کہ خدائے خالق، بعث بعد الموت اور یوم حساب کے نظریات کے لحاظ سے اسلام، یہودی اور عیسائی نظام توحید سے مطابقت رکھتا ہے۔ بعد کی آیات میں قرآن کا بائبل کی روایات پر انحصار اور بھی واضح نظر آتا ہے کیونکہ ان آیات میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کا مواد کثرت سے موجود ہے۔''

یہ بات بیان کرنے کے بعد مستشرق مذکور سوچتا ہے کہ مکہ کا ایک امی جس نے کبھی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا تھا، اس نے کس طریقے سے بائبل کی تعلیمات حاصل کر کے ان کی بنیاد پر قرآن حکیم جیسا علوم و معارف کا بحر خار تیار کر لیا۔ وہ خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

"Here there are various possibilities. He might have met jews and chirstians and talked about religious matters with them. There were christian Arabs on the borders of Syria. Christian Arabs or Abyssinians from Yeman may have come to Mecca to trade or as salves. Some of the nomadic tribes or clans were Christians, but may still have come to the annual trade fair at Mecca. There were also important jewish groups settled at Medina and other places. Thus opportunities for conversation certainly existed. Indeed Muhammad is reported to have had some talks with Qaraqah Khadijah's chirstian cousin and during his life time his enemies tried to point to some of this contacts as the source of his revelation". (۱۳)

''اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں۔ ممکن ہے محمد (ﷺ) یہودیوں اور عیسائیوں سے ملے ہوں اور ان کے ساتھ مذہبی معاملات پر گفتگو کی ہو۔ شام کی سرحد کے ساتھ کچھ عیسائی عرب آباد تھے۔ ممکن ہے عیسائی عرب یا یمن کے حبشی تجارت کی غرض سے یا غلام بن کر مکہ آئے ہوں۔ کچھ بدو قبائل یا ان کے کچھ شاخیں بھی عیسائی تھیں، لیکن عیسائی ہونے کے باوجود ممکن ہے وہ مکہ کے سالانہ تجارتی میلوں میں شرکت کرتے ہوں۔ مدینہ اور کچھ دوسری جگہوں پر یہودیوں کے کچھ اہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبائل آباد تھے۔ لہذا ایسے عناصر سے گفتگو کے امکانات یقیناً موجود تھے۔ محمد (ﷺ) کی حضرت خدیجہ کے عیسائی چچازاد ورقہ سے ملاقات کا بیان تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ اور محمد (ﷺ) کی زندگی میں آپ کے دشمنوں نے کچھ ایسے عناصر کے ساتھ آپ کے رابطوں کی طرف اشارہ کیا تھا جن کو ان کے الہامات کا منبع قرار دیا جا سکتا ہے۔"

منٹگمری واٹ جب حضور ﷺ کے کسی ایسے انسان سے رابطے کو ثابت نہیں کر سکتا جس نے آپ کو بائبل کی تعلیمات سے آگاہ کیا ہو تو بڑی عیاری سے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت عیسائی اور یہودی نظریات مکہ اور جزیرہ عرب میں جڑ پکڑ چکے تھے۔ عیسائیت اور یہودیت کے متعلق محمد (ﷺ) کی معلومات اسی ماحول سے ماخوذ تھیں۔

اپنے اس مفروضے کو منٹگمری واٹ الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"The conclusion of this matter is that Muhammad received his knowledge of Biblical conceptions in general (as distinct from the details of some of the stories) from the intellectual environment of Mecca and not from reading or from the communication of specific individuals. Islam thus in a sense belongs to the Judaeo - Christian tradition because it sprang up inn a milieu that was permeated by biblical ideas. (۱۴)

"اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ محمد (ﷺ) نے بائبل کے نظریات کا علم (چند کہانیوں کی تفصیلات کو چھوڑ کر) مکہ کے ذہنی ماحول سے اخذ کیا تھا۔ یہ علم آپ نے کوئی کتاب پڑھ کر یا کسی مخصوص شخص کے ساتھ رابطے کے ذریعے حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لئے ایک لحاظ سے اسلام کا تعلق یہودی اور عیسائی روایت کے ساتھ ہے کیونکہ یہ دین اس ماحول سے ابھرا جس میں بائبل کے نظریات سمائے ہوئے تھے۔"

گزشتہ صفحات میں ہم نے ذرا تفصیل کے ساتھ مستشرقین کے اس انداز کو بیان کر دیا ہے جس انداز میں وہ قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

مستشرقین کی ان تحریروں سے جو تاثر انسان کے ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات پر تو متفق ہیں کہ قرآن حکیم خدا کا کلام نہیں ہے، لیکن پھر یہ ہے کیا اور اس کا مصدر کیا ہے؟ اس سوال کے جوابات کے لئے انہوں نے ظن وتخمین کے جو گھوڑے دوڑائے ہیں ان کو دیکھ کر وہ ذہنیت سامنے آجاتی ہے جس کی نشاندہی قرآن حکیم نے کئی مقامات پر ان هم الا یظنون (۱۵) اور ان هم الا یخرصون (۱۶) کے کلمات سے کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مستشرقین اپنی تحریروں میں جو دعویٰ کر رہے ہیں، اپنے اس دعویٰ کی تردید بھی وہ خود ہی کر رہے ہیں۔ جارج سیل قرآن حکیم کو حضور ﷺ کے ذہن کی اختراع قرار دیتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ محمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ﷺ) نے بڑی مہارت سے اس کتاب کو ادب کے اس بلند مقام پر رکھا ہے کہ قرآن کے کلام خداوندی ہونے کے دعویٰ کا انکار کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کلام، خدا کے شایان شان نہیں اور یا یہ کہ اس میں عہد نامہ قدیم کا پیغمبرانہ اسلوب مفقود ہے۔ اور ساتھ ہی جارج سیل یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس کتاب کا ادبی مقام اتنا بلند ہے اور اس کی قوت تاثیر اتنی زبردستی ہے کہ زمانہ نزول قرآن کے عرب، جو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز کیا کرتے تھے، وہ اس کتاب کے اسلوب بیان کو سحر یا جادو کا اثر کہنے پر مجبور ہو گئے۔

جارج سیل قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کے دعویٰ پر یہ اعتراض کرنا چاہتا ہے کہ قرآن جن لوگوں کے سامنے نازل ہوا تھا، انہوں نے بھی اس کے بشری الاصل ہونے کو شور مچایا تھا اور انہوں نے ایسے لوگوں کا ذکر کیا تھا جو محمد (ﷺ) کو معلومات مہیا کرتے تھے، لیکن ساتھ ہی جارج سیل یہ بھی کہتا ہے کہ محمد (ﷺ) کے مخالفین اپنے اس اعتراض کو ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ اور پھر جارج سیل حضور (ﷺ) کے مخالفین کی اس ناکامی کی وجہ سے اپنے تخیل کے زور سے یہ بتایا ہے کہ محمد (ﷺ) نے معلومات مہیا کرنے والے لوگوں کے ساتھ اپنے رابطوں کو بڑی کامیابی کے ساتھ مخفی رکھا تھا اور آپ کے مخالفین آپ کے ان احتیاطی تدابیر کی وجہ سے اس بات کا سراغ لگانے میں ناکام رہے تھے کہ وہ لوگ کون ہیں جو آپ کو معلومات مہیا کرتے ہیں۔

جارج سیل مصادر قرآن کے متعلق ان تفصیلات کو قرین قیاس قرار دیتا ہے جو ڈاکٹر پریڈو نے بیان کی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ڈاکٹر پریڈو نے تمام تفصیلات عیسائی مصنفین سے اخذ کی ہیں اور عیسائی مصنفین اپنے بیانات میں بعض مضحکہ خیز کہانیوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔

منٹگمری واٹ قرآن حکیم کا منبع و مصدر تلاش کرنے کی کوشش میں اپنے تخیل کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑتا ہے۔ جو کسی ایک مقام پر چند لمحے رکتا ہے اور پھر کسی دوسری طرف چل نکلتا ہے۔ وہ کبھی مکہ کی طبقاتی کشمکش کو قرآن کا منبع قرار دیتا ہے اور کبھی حضور ﷺ کے تخلیق تخیل کو۔ کبھی وہ قرآن حکیم کے ڈانڈے ان اہل کتاب کے ساتھ ملاتا ہے جو اطراف واکناف سے مختلف مقاصد کے تحت مکہ آتے تھے اور کبھی وہ مکہ کے ذہنی ماحول کو قرآن کا مصدر قرار دیتا ہے۔

قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار جن بنیادوں پر مکہ کے بت پرستوں نے کیا تھا، یورپ کے اہل کتاب کا رویہ اس سے مختلف نہیں۔ جس طرح مستشرقین قرآن حکیم کو انسانی کلام ثابت کرنے کے لئے بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں کفار مکہ بھی اسی قسم کی باتیں کرتے تھے۔ جس طرح مستشرقین کو بات کہتے ہوئے مطلقاً یہ احساس نہیں ہوتا کہ ان کی بات کتنی کھوکھلی اور بے وزن ہے۔ مشرکین کی کیفیت بھی بالکل اسی قسم کی تھی۔

جن لوگوں نے قرآن حکیم کو بشری الاصل قرار دینے کی کوشش کی اور قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے پر اعتراض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا، ان کے اس اعتراض اور اسکے جواب کو خالق کائنات نے کس عمدہ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (۱۷)

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے۔ حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور قرآن فصیح و بلیغ عربی میں ہے۔

مشرکین مکہ کی بوکھلاہٹ کا اندازہ کیجئے کہ قرآن حکیم ان کے سامنے پڑھا جا رہا ہے۔ اس کلام پاک میں اتنی قوت ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے زبان دان اس کی عظمت کا اعتراف کر چکے ہیں۔ کچھ اس کی تاثیر سے متاثر ہو کر اس کے حلقہ بگوش بن رہے ہیں۔ جو مخالف ہیں وہ بھی چھپ چھپ کر اس معجزانہ کلام کو سنتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اگر یہ کلام ان کی عورتوں، بچوں یا باہر سے آنے والے لوگوں کے کانوں میں پڑ گیا تو وہ اس کی تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ اس لئے وہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ آواز اس قسم کے لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔

جس کلام نے کفار مکہ کو یوں عاجز کر دیا ہے، اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کلام محمد ﷺ کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔

لیکن وہ سکھانے والا انسان ہے کون؟ کوئی کہتا ہے وہ بلعام لوہار ہے۔ کوئی کہتا ہے وہ بنی مغیرہ کا غلام یعیش ہے۔ کوئی عیش اور جبر کو حضور ﷺ کا معلم قرار دیتا ہے۔ (۱۸) لطف کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کی طرف وہ عربی ادب کے اس شاہکار کو منسوب کر رہے ہیں وہ سب عجمی ہیں۔ کسی کی مادری زبان عربی نہیں۔ وہ سب غلام ہیں اور ان میں سے اکثر حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔

قرآن حکیم قریش مکہ کو ان کے اعتراض کے کھوکھلے پن سے آگاہ کرتا ہے اور فرماتا ہے۔ ذرا عقل کے ناخن لو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جس عربی کلام کی عظمتوں کو تمہارے ولید بن مغیرہ اور لبید بن ربیعہ جیسے زبان دان، دشمنی کے باوجود، سلام کرتے ہیں، وہ کلام کسی عجمی کی تعلیم سے وجود میں آیا ہو؟ قرآن حکیم مردان حر کو زندگی گزارنے کے جوگر سکھاتا ہے، کیا وہ ان غلاموں کے ذہن کی اختراع ہے جن کو اپنے مالکوں کی خدمات سے فرصت نہیں ملتی؟

قرآن حکیم نے کفار مکہ کو جو جواب دیا تھا، وہ ہر دور کے منکرین قرآن کے سامنے بطور چیلنج پیش کیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم ایک عالمگیر پیغام ہے اور اس کا خطاب صرف مکہ کے عربوں سے نہیں بلکہ ہر دور اور ہر علاقے کے انسان سے ہے۔ قرآن حکیم ہر دور کے انسان سے اس کی ذہنی سطح اور اس کے معتقدات کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ کفار مکہ کے نزدیک سب سے بڑا کمال زبان دانی تھا۔ ان کے شاعر، ادیب، قصہ گو اور خطیب معاشرے کے بڑے باکمال افراد شمار ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔اس لئے ان سے خطاب کرتے وقت قرآن حکیم نے ان کی زندگی کے اس شعبے کو پیش نظر رکھا۔قرآن ان سے کہہ رہا ہے کہ یہ کلام تمہارے سامنے ہے۔تم اپنی زبان دانی کی بنیاد پر اس کی ادبی خوبیوں کو سمجھ سکتے ہو۔ذرا سوچو! جن لوگوں کی مادری زبان ہی عربی نہیں وہ اس کتاب کی تصنیف کے لئے کیسے معاونت کر سکتے ہیں۔

زبان دانی پر اترانے والے عربوں کے سامنے قرآن حکیم نے اپنی ادبی خوبیوں کو بطور چیلنج پیش کیا۔لیکن قرآن حکیم کے کمالات صرف اس کی ادبی خوبیوں تک محدود نہیں بلکہ یہ علوم ومعارد کا ایک بحر بے پیدا کنار ہے۔قانون دان کو اس میں حیران کن قانونی موشگافیاں نظر آتی ہیں۔سیاستدان اس سے سیاست کے زریں اصول اخذ کرتا ہے۔جرنیل کو اس سے اپنی جنگی حکمت عملی وضع کرنے میں مدد ملتی ہے، طبیب کو اس کے صفحات میں پھیلے ہوئے بے شمار طبی نسخے نظر آتے ہیں ۔صوفی کو اس میں راہ سلوک میں راہنمائی کا سامان میسر آتا ہے۔اور سائنس دان کو قرآن حکیم میں انسانوں کو بلندیوں کی طرف مائل پرواز کرنے والی یہ دعوت نظر آتی ہے۔''کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں''۔

یہی وجہ سے کہ یہ کتاب مبین نہ تاریخ کی کتاب ہے۔نہ جغرافیے کی، نہ طب کے، نہ قانون کی، نہ تصوف کی اور نہ سائنس کی، بلکہ یہ تمام علوم کی کتاب ہے، جس میں ہر علم کے ایسے اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جن سے بہتر اصول وضع کرنا کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے۔

مستشرقین کبھی بحیریٰ راہب کو، کبھی شام اور یمن سے مکہ تجارت کے لئے آنے والے عیسائیوں کو اور کبھی مکہ کے سرداروں کے ہاں بے کسی زندگی گزارنے والے عیسائی غلاموں کو حضورﷺ کا معلم قرار دیتے ہیں۔قرآن حکیم نے جو بات کفار مکہ سے کہی تھی، ہم وہی بات مستشرقین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ علوم جو قرآن حکیم میں بیان ہوئے ہیں وہ بحیریٰ راہب کو حاصل تھے؟ کیا مکہ یا مدینہ میں مقیم یا باہر سے آنے والا کوئی اہل کتاب ان علوم سے بہرہ ور تھا جو قرآن حکیم کی برکت سے بنی نوع انسان کو حاصل ہوئے ہیں؟

اگر بحیریٰ راہب یا دوسرا کوئی عیسائی یا یہودی اتنا بڑا عالم تھا تو اسے خفیہ طور پر حضورﷺ کو علم کے ان بے مثال موتیوں سے بہرہ ور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔کیوں نہ وہ خود ایک عظیم کتاب تصنیف کر کے، اور اس کی بنیاد پر ایک عالمی مذہب کی بنیاد رکھ کر اپنے نام کو زندہ جاوید بنانے کی طرف متوجہ ہوا؟

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں ان کی خدمت میں ہم گزارش کرتے ہیں کہ وہ ذرا یہ وضاحت فرمائیں کہ قرآن حکیم کی وہ تعلیمات جو بائیبل کی تعلیمات سے متصادم ہیں، وہ حضورﷺ کو کس نے سکھائی تھیں؟ جارج سیل صاحب فرمائیں گے کہ وہ تعلیمات آپ نے غیر مستند انجیلوں اور ان غلط روایات سے حاصل کی تھیں جو اس زمانے میں عیسائیوں اور یہودیوں میں مشہور تھیں۔ہم گزارش کریں گے کہ ان غیر مستند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انجیلوں کلے مصنف کون تھے؟

انجیل برنباس کوتو عیسائی، مسلمانوں کی تصنیف کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں، ذرا یہ تو بتائیں کہ وہ انجیلیں جن سے حضورﷺ نے استفادہ کیا تھا، ان کے مصنف کون تھے؟

مسلمان تو انجیلوں کے مصنف ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ انجیلیں اسلام سے پہلے کے دور میں تصنیف ہوئی تھیں۔

ہم جارج سیل صاحب اور ان کے ہم نو اور ہم مسلک لوگوں سے یہ بھی استفسار کریں گے کہ حضورﷺ کے زمانے کے عرب یہودیوں اور عیسائیوں میں جو غلط مذہبی روایات مروج تھیں ان کو رواج دینے کا ذمہ دار کون تھا؟ ظاہر ہے اسلام اس کا ذمہ دار ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ سب کچھ طلوع اسلام سے پہلے ہو چکا تھا۔ عرب کے بت پرست بھی اس کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے کہ وہ خود علم کے میدان میں یہود و نصاریٰ کو اپنے آپ سے بہتر سمجھتے تھے۔

اس تمام بحث سے یہی واحد نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ وہ انجیلیں جنہیں جارج سیل غیر مستند کہہ رہے ہیں وہ بھی عیسائیوں کلے ایک طبقے کے ہاں معتبر تھیں اور وہ عقائد جن کو مستشرق مذکور غلط عیسائی عقائد کا نام دے رہے ہیں وہ عیسائیوں کی کثیر تعداد کے عقائد تھے۔

جارج سیل نے بے خبری میں یہ بات کہہ کر نصرانیت کے قصر رفیع کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دنیائے عیسائیت کئی طبقوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ طویل عرصہ ان میں باہم چپقلش رہی۔ ہر طبقے کی اپنی انجیلیں تھیں جو دوسری انجیلوں سے مختلف تھیں۔ آخر کار سینٹ پال کا طبقہ غالب آ گیا۔ ان کے عقائد کو رواج حاصل ہوا اور ان کے مقابلے میں دوسرے فرقے دب گئے۔ جو انجیلیں سینٹ پال کے عقائد کے مطابق تھیں ان کو مستند قرار دے دیا گیا اور جو انجیلیں اس کے عقائد سے متصادم تھیں انہیں غیر مستند قرار دے کر تلف کرنے کے احکامات صادر کر دیئے گئے۔

اس حقیقت کو ایک فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر مورس بکائلے (Dr. Maurice Bucaille) کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"As for as the decades following Jesus's mission are concerned, it must be understood that events did not at all happen in the way they have been said to have taken place and that peter's arrival in Rome ion no way laid the foundations of the Church. On the contrar, from teh time Jesus left earth to the second half of teh second century, there was a struggle between two factions. One was what one might call Pauline Christinity and the other Judeo Christinity. it was only very slowly that the first supplanted teh second, and Pauline Christianity triumphed over Judeo - Christianity/ " (۱۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تبلیغ سے بعد کی چند دہائیوں کا تعلق ہے، یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ واقعات اس طرح پیش نہیں آئے جس کہ مشہور ہیں۔اور دوسری یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ پطرس کے روم میں پہنچنے سے کسی بھی صورت میں کلیسا کا آغاز نہیں ہوا۔اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا کو الوداع کہنے سے لے کر دوسری صدی کے نصف آخر تک عیسائیت کے دو طبقوں میں چپقلش رہی۔ایک طبقہ وہ تھا جسے آپ سینٹ پال کی عیسائیت کہہ سکتے ہیں اور دوسرا طبقہ یہودی عیسائیت کا طبقہ تھا۔سینٹ پال کے فرقے نے کافی عرصہ بعد یہودی عیسائیت پر فتح حاصل کی اور اس کو میدان سے ہٹا دیا۔''

عیسائیت کے دو متحارب طبقوں کی چپقلش کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مورس بکا لئے لکھتا ہے۔

"For those Judeo - Christians who remained "Loyal Jews" Paul was a traitor. Judeo - Christian documents call him an "enemy", accuse him of "tactical double dealing"...."Until 70 A.D, Judeo - Christianity represents an isolated case. the head of the community at the time was James, a relation of Jesus. With him were Peter (at the beginning) and John. James may be considered to represent the Judeo - Christian camp, which deliberately clung to judaism as opposed to pauline - christianity. Jesus 's family has a very important placve in Judeo - Christian Chruch of Jerusalem." (۴۰)

''یہودی عیسائیت کا طبقہ جو مخلص یہودی تھے،ان کی نظروں میں سینٹ پال ایک دھوکا باز تھا۔یہودی عیسائیت کے طبقے کی دستاویزات،اسے دشمن کے نام سے یاد کرتی ہیں اور اس پر چالبازی اور دوغلے پن کا الزام لگاتی ہیں......70ء تک یہودی عیسائیت کو کلیسا میں اکثریت حاصل تھی اور سینٹ پال ایک بے اثر شخص تھا۔اس وقت قوم کا سربراہ جیمز تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رشتہ دار تھا۔اس کے ساتھ پطرس (ابتدائی زمانے میں) اور یوحنا تھے۔جیمز کو یہودی عیسائیت کا نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے جو سینٹ پال کی عیسائیت کے برعکس یہودیت کے ساتھ منسلک رہی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاندان کو یوروشلم کی یہودی عیسائیت میں بڑا اہم مقام حاصل ہے۔''

مندرجہ بالا اقتباسات اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں کہ وہ انجیلیں جو آج عیسائیوں کے ہاتھ میں موجود ہیں ان کے مستند ہونے پر عیسائیت کبھی متفق نہیں رہی۔اور جو انجیلیں ضائع اور تلف کی گئی ہیں وہ بھی ساری دنیائے عیسائیت کی نظروں میں متفقہ طور پر غیر مستند نہ تھیں بلکہ وہ انجیلیں تورات کی تعلیمات کے مطابق تھیں اور جن لوگوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قریبی تعلق تھا ان کے عقائد انہی انجیلوں کے مطابق تھے۔موجودہ عیسائی مذہب اور مروج انجیلیں سینٹ پال کے عقائد پر مشتمل ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساری زندگی آپ کے دین کا دشمن رہا اور آپ کے رفع آسمانی کے بعد آپ کے دین کا سب سے بڑا چیمپئن بن بیٹھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انبیائے سابقین پر نازل ہونے والے صحائف کی مخالفت اور تردید کرنے کیلئے نازل نہیں ہوا بلکہ ان کی تصدیق کرنے والا اور محافظ بن کر نازل ہوا ہے۔ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (21)

''اور (اے حبیب ﷺ) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ۔تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب اور ہے اور یہ (قرآن) محافظ ہے اس پر۔''

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انبیائے سابقین کی تصدیق کرنے والے تھے ان کے بارے میں بھی قرآن حکیم ہمیں اس حقیقت سے آگاہ فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (22)

''اور دیا کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کو جو تشریف لائے گا میرے بعد۔اس کا نام (نامی) احمد ہوگا۔''

حضور ﷺ اپنے تمام پیشرو انبیائے کرام اور ان کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے سے پہلے تشریف لانے والے انبیائے کرام اور تورات کی تصدیق کرنے والے اور اپنے بعد آنے والے نبی حضرت احمد ﷺ کی آمد کی بشارت دینے والے ہیں۔

اگر یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف نہ کردی ہوتی تو آج قرآن، تورات اور انجیل میں تضاد نظر نہ آتا بلکہ یہ سب ایک دوسری کی تصدیق کرتیں۔وہ کتابیں جن کو کلیسا نے غیر مستند قرار دے کر تلف کرنے کا حکم صادر کیا تھا، اگر وہ محفوظ ہوتیں تو یقیناً ان کی اکثر تعلیمات اناجیل اربعہ کی نسبت قرآن حکیم کی تعلیمات کے زیادہ قریب ہوتیں۔

کلیسا کی مسترد کردہ انجیلوں میں سے ایک انجیل، انجیل برنباس آج بھی دنیا کی لائبریریوں میں موجود ہے۔اس کتاب میں بار بار مدنی تاجدار ﷺ اور آپ کے کمالات کا تذکرہ ہوا ہے۔اس انجیل کی تعلیمات مروج عیسائیت کی تعلیمات سے بالکل متصادم اور قرآن حکیم کی تعلیمات کے بالکل قریب ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دنیائے عیسائیت اس کتاب کو یہ کہہ کر مسترد کردیتی ہے کہ اس کتاب کو کسی مسلمان نے تصنیف کیا ہے۔

جن ہزاروں انجیلوں کو کلیسا نے تلف کرنے کا حکم دیا تھا، ان میں یقیناً ایسی تعلیمات ہوں گی جو مروج عیسائیت کی تعلیمات سے متصادم تھیں۔اسی وجہ سے ان کو غیر مستند قرار دے کر تلف کرنے کا حکم دیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر مورس بکائلے کا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رشتہ دار اور قریبی لوگ سینٹ پال کو فریبی، دشمن اور دو غلا سمجھتے تھے، اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے عقائد سینٹ پال کے عقائد سے متصادم تھے۔ یقیناً ان کے عقائد وہی ہوں گے جو حضرت عیسی علیہ السلام نے تعلیم کیئے تھے۔ ان عقائد کی جھلک ہی ہمیں انجیل برنباس میں نظر آتی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم نے مصدق اور مھیمن ہونے کی دونوں ذمہ داریاں خوبصورتی سے نبھائی ہیں۔ تورات اور انجیل کو جو بیانات اپنی اصلیت پر قائم تھے اور تحریف سے محفوظ تھے، قرآن حکیم نے ان کی تصدیق کی اور جن الہامی تعلیمات کو یہود و نصاریٰ نے بدل دیا تھا، قرآن حکیم نے ان کو از سر نو زندہ کیا۔ قرآن حکیم نے یہود و نصاریٰ کے تمام غلط عقائد کی تردید کردی اور اس طرح اپنے مھیمن ہونے کے دعویٰ کو ثابت کر دیا۔

یہودی اور عیسائی مشترکہ طور پر دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن حکیم عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ قرآن حکیم نے نہ تو بائیبل کے تمام بیانات کی تصدیق کی ہے اور نہ ہی تردید۔ قرآن حکیم نے جہاں عہد نامہ جدید و قدیم کے بیانات کی تردید کی ہے وہاں اس تردید کے لئے بڑے پرزور اور مسکت دلائل پیش کیئے ہیں۔

ہمارے مہربان ذرا ہمیں یہ بتائیں کہ مکہ کے امی رسول یہ قوت استدلال کہاں سے ملی تھی؟ اگر وہ خدا کا برگزیدہ رسول نہیں تھا تو نجران کے عیسائی عالموں کا وفد جو مدینہ آیا تھا وہ آپ کو مناظرے میں لاجواب کیوں نہ کر سکا تھا؟ اور مدینہ کے یہودی جو اپنی علمیت پر نازاں تھے وہ اسے مناظرانہ گفتگو میں زیر کیوں کر سکے تھے۔

مستشرقین نے ایک اور تاثر یہ دینے کی کوشش کی ہے کہ قرآن حکیم کو حضور ﷺ نے اپنے ذہن کی زبردست تخلیقی قوت کے ذریعے تصنیف کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس تصنیف کے لئے مواد آپ کا مکہ کے ذہنی ماحول سے حاصل ہوا۔

مشترقین کے اس مفروضے پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے مندرجہ ذیل نظریات کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ اہل مغرب کی نسلی برتری کا مشہور مغربی اور استشراقی نظریہ

۲۔ یہ نظریہ کی مشرقی اقوام عقلی صلاحیتوں کے لحاظ سے کم تر ہیں اور ان کا ذہن تخلیقی قوتوں کے معاملے میں مغربی ذہن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

۳۔ یہ نظریہ کہ عربوں کی سوچ صحرائی تھی۔ قرآن ان کے حالات میں مفید تھا اور یہ ترقی یافتہ اقوام کی راہنمائی کے لئے مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔

ذرا غور فرمائیے کہ صدیوں اہل مغرب کا اس نظریے پر اتفاق رہا ہے کہ اقوام مشترق ذہنی طور پر کم تر ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے نفع نقصان کو بہتر طور پر نہیں سمجھ سکتیں۔ ممالک شرقیہ پر اپنے استعماری غلبے کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لئے انہوں نے اس نظریے کو کافی عرصہ بڑی کامیابی سے آزمایا۔ اور آج بھی اقوام مشرق کو اپنا ذہنی غلام رکھنے کی خاطر مغرب کے ذرائع ابلاغ بڑی عیاری سے اس نظریے کے مطابق پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔

مغربی ذہن کی برتری کے نظریے کے باوجود حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ یہودیت اور نصرانیت کو اپنا دین تسلیم کرتے ہیں جب کہ یہ دونوں دین مشرقی ہیں اور ان کے پیغمبروں اور ابتدائی مخاطبین کا تعلق مشرق سے تھا۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ وہ ادیان جو کم تر ذہنی صلاحتیں رکھنے والی مشرقی اقوام پر نازل ہوئے تھے وہ مدتوں سے اعلیٰ ذہنی صلاحتیں رکھنے والی مغربی نسل کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اہل مغرب کے ان نظریات کی روشنی میں مستشرقین کا یہ مفروضہ اور بھی حیران کن لگتا ہے کہ حضور ﷺ نے مکہ کے ذہنی ماحول سے مواد اخذ کیا اور اپنے ذہن کی زبردست تخلیقی قوت سے کام لے کر قرآن تصنیف کر لیا۔

مستشرقین نے قرآن حکیم کے سینکڑوں ترجمے مغربی زبانوں میں کیے ہیں۔ ان کے ہزاروں علماء نے اپنی زندگیاں علوم و معارف کے اس بحر بیکراں میں غوطہ زنی کرتے ہوئے صرف کی ہیں اور ان میں سے کئی اس کی عظمتوں کو سلام کرنے پر مجبور بھی ہوئے ہیں۔ ان کے تاریخ دان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کتاب مبین کی تعلیمات نے عربوں کا مقدر سنوارا، اجڈ بدوؤں کو تہذیب و ثقافت کا علمبردار بنایا، ان گنت بتوں کی پوجا کرنے والی قوم کو خدائے واحد کے سامنے سجدہ ریز کیا اور اوہام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ذہنوں کو عالم کے نور سے منور کیا۔

وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کتاب مبین کی تعلیمات کو خضر راہ بنانے والوں نے کئی عظیم قائم کیں اور صدیوں ان کی عظمت کے پھریرے مشرق و مغرب میں لہراتے رہے۔ انہوں نے یونان کے فلسفے کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھا اور اسے نسل انسانی کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا۔

وہ تسلی کرتے ہیں کہ وہ کتاب ہے جس کی تعلیمات نے مغرب کی نشاۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا، جس نے تخلیق کائنات کے متعلق وہ تفصیلات بیان کیں جن میں سے کسی کو بھی سائنس اپنے دور عروج میں بھی نہ جھٹلا سکی، جس نے ماضی کے واقعات پوری صحت کے ساتھ بیان کئے اور جس نے مستقبل کے بارے میں متعدد پیشگوئیاں کیں جن میں سے اکثر کو سو فیصد صحیح ثابت ہوتے ہوئے دوستوں اور دشمنوں سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

جس کتاب کا یہ ناقابل انکار اور ناقابل تردید خوبیاں سطور بالا میں بیان کی گئی ہیں، اس کتاب کے متعلق مستشرقین یہ تحقیق فرماتے ہیں کہ اس کی تصنیف کے لئے مواد مکہ کے ذہنی ماحول نے مہیا کیا۔ وہ اہل مکہ جن کی راہنمائی کے لئے کوئی آسمانی کتاب موجود نہ تھی، جن کی فکری زندگی کا تانا بانا توھمات سے تیار ہوا تھا، جو علوم و فنون سے قطعاً بے بہرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے اور جن کا سارا ادبی سرمایہ صرف ذہنوں میں محفوظ تھا۔

مکہ کے اس ماحول میں جنم لینے اور پروان چڑھنے والا ایک شخص جو مشرقی بھی ہے، عرب بھی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ امی بھی ہے، اس شخص کے بارے میں مستشرقین ہمیں آگاہ فرما رہے ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اس کتاب کو تصنیف کیا جس کی خوبیوں کا ذکر سطور بالا میں ہوا ہے۔

ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ ہم مستشرقین کی کس بات کو تسلیم کریں اور ان کی کس بات کا انکار کریں۔ اگر ان کے اہل یورپ کی نسلی برتری کے نظریے کو تسلیم کرتے ہیں تو اس بات کا انکار کرنا پڑتا ہے کہ ایک مشرقی شخص نے مشرق کے ذہنی ماحول سے مواد اخذ کر کے قرآن جیسی کتاب لکھ لی تھی۔ اور اگر ان کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن ایک امی عرب کے تخلیق تخیل کا نتیجہ ہے تو اہل یورپ کی نسلی برتری کے نظریے کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حق کی مخالفت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں ان کے قلموں اور ان کی زبانوں سے اسی قسم کی بے سروپا باتیں نکلتی ہیں۔ اس لئے ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم مستشرقین کے ان تمام مزعومات کا انکار کر کے قرآن حکیم کو اس وحدہ لاشریک کا کلام تسلیم کریں جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی جس کا کی نگاہ قدرت سے نا ماضی پوشیدہ ہے اور نہ مستقبل۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کریں:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (23)

''کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم اسماعیل واسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد کی طرف۔ اور جو عطا کیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ واسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد کی طرف۔ اور جو عطا کیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان میں سے کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''

مستشرقین کی خدمت میں چند گزارشات:

مستشرقین دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ تاریخی بیانات، خصوصاً تاریخ اسلام کے کئی اہم واقعات کا انکار وہ محض اس بنا پر کرتے ہیں کہ عقل ان کو تسلیم نہیں کرتی۔ سیرت اور احادیث طیبہ کی کتابوں میں جو باتیں حضور ﷺ کی معجزانہ شان کو بیان کرتی ہیں، ان کو وہ خلاف عقل کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں۔ وہ اسلامی مصادر میں اس قسم کے مواد کی موجودگی کو ان مصادر کے غیر معتبر ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

ہم مستشرقین سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ قرآن حکیم کے وحی الٰہی ہونے کا انکار کر کے، قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکیم کی تصنیف کے متعلق جو مختلف مفروضے پیش کرتے ہیں، کیا ان میں سے کوئی ایک مفروضہ بھی عقل کے معیار پر پورا اترتا ہے؟

کیا مستشرقین کی عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ تجارتی قافلے کی معیت میں بحیرئی راہب کے ساتھ ایک دعوت میں حضورﷺ کی جو ملاقات ہوئی تھی، اس میں بحیرئی راہب نے حضورﷺ کو اتنا بڑا عالم بنا دیا تھا کہ آپ اس علم کے زور پر قرآن حکیم جیسی کتاب لکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے، حالانکہ اس ملاقات کی گفتگو زیادہ تر ان سوالات پر مشتمل تھی جو بحیرئی راہب حضورﷺ سے پوچھتا رہا تھا؟

کیا تاریخ ادب میں اور بھی کوئی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے مذکورہ حالات میں اتنی عظیم کتاب لکھی ہو؟

بالفرض اگر آج دنیا کے کسی پسماندہ علاقے کا کوئی ناخواندہ شخص مستشرقین کے پاس کوئی ایسی کتاب لائے جس میں سیاست، قانون، اخلاق، سائنس، معیشت اور معاشرت کے ایسے زریں اصول موجود ہوں، جن سے انسانیت پہلے ناآشنا ہو اور آکر کہے کہ اگرچہ وہ ناخواندہ ہے لیکن اسکے باوجود یہ کتاب اس نے خود لکھی ہے تو کیا مستشرقین کی عقل رسا اس شخص کے اس دعویٰ کو تسلیم کرلے گی؟

کیا عقل انسانی اس بات کو تسلی کرسکتی ہے کہ مکہ کے اطراف واکناف سے جو یہودی اور عیسائی تجارت کیلئے مکہ آتے تھے یا جو عیسائی سرداران مکہ کے ہاں غلامی کی زندگی گزار رہے تھے انہوں نے حضورﷺ کو تعلیم دی جس کے نتیجے میں آپ قرآن حکیم جیسی کتاب دنیا کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے؟

اگر ان باتوں میں سے کسی بات کو بھی عقل تسلیم نہیں کرتی تو نبی امیﷺ کی اس وضاحت کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ کیا ہے کہ قرآن حکیم ان کی تصنیف نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہے؟

مشرکین مکہ نے بھی قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کیا تھا، انکے انکار کی وجہ تو سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ ان کی عقل تو اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھی کہ آسمان اور زمین کے درمیان وحی کے ذریعے رابطہ ممکن ہے وہ تو کسی بھی بشر کو، جو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا اور زندگی بسر کرتا ہو، خدا کا رسول ماننے کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ کیا مستشرقین بھی کفار مکہ کی طرح نزول وحی کے منکر ہیں؟

اگر وہ وحی کے نزول کو ناممکن سمجھتے ہیں تو ان صحائف کے متعلق ان کا کیا خیال ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے؟

اگر وہ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کو آسمانی صحائف مانتے ہیں تو جس ذریعے سے یہ کتابیں نازل ہوئی ہیں اسی ذریعے سے قرآن حکیم کے نزول کا انکار وہ کس بنا پر کرتے ہیں؟ وہ جس چیز کو یہودیت اور عیسائیت کے لئے جائز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مانتے ہیں، اسلام کے لئے اس کو محال کیوں قرار دیتے ہیں؟

اگر آپ لوگ آسمان سے وحی کے نزول کو ممکن سمجھتے ہیں تو پھر دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرآن حکیم کے منزل من اللہ ہونے کا بھی آپ کو اقرار کرنا پڑے گا اور اگر آپ نزول وحی کے امکان ہی کے منکر ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے صحائف کو تو منزل من اللہ تسلیم کریں اور قرآن حکیم کی اس حیثیت کا انکار کر دیں حالانکہ قرآن حکیم میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کی نسبت کہیں زیادہ حقائق بیان ہوئے ہیں اور جوں جوں سائنس ترقی کرتی جارہی ہے اس نے بائیبل کے کئی بیانات کو جھٹلایا ہے لیکن آج تک سائنس قرآن حکیم کے کسی ایک بیان کو بھی جھٹلا نہیں سکی۔

ڈاکٹر مورس بکائیلے نے اپنی کتاب "دی بائیبل، دی قرآن اینڈ سائنس" میں اس حقیقت کو کئی نا قابل انکار دلائل کے ذریعے ثابت کیا ہے۔

مستشرقین کے پاس قرآن حکیم کے کلام خوادندی ہونے کا انکار کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے ان کے انکار کے پس منظر میں حسد، بغض اور اسلام دشمنی کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے ہم ان کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے رویے میں تبدیلی کریں۔ ساتھ ہی ہم ان کی توجہ قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ کی طرح مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

یاایھا الذین اوتوالکتب امنوا بما نزلنا مصدقا لما معکم من قبل ان نطمس وجوھا فنردھا علیٰ ادبارھآ او نلعنھم کما لعنا اصحب السبت ط وکان امر اللّٰہ مفعولا ہ(24)

"اے وہ لوگو جنہیں دی گئی کتاب! ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تا کہ تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے پھر پھیر دیں انہیں پشتوں کی طرف یا لعنت کریں ان پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے"۔

قرآن حکیم کی حیثیت کو مشکوک بنانے کے لئے استشراقی وسوسے:

مستشرقین نے قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کرنے کیلئے مختلف ناکام حیلے استعمال کئے چونکہ باطل کی کوئی مستقل بنیاد نہیں ہوتی اس لئے وہ نت نئے رنگ بدلتا رہتا ہے۔ مستشرقین کے پاس کوئی نکتہ ایسا نہ تھا جس پر ڈٹ کر وہ اپنے موقف کو ثابت کرتے اس لئے وہ رنگ اور انداز بدل بدل کر قرآن حکیم پر حملہ آور ہوتے رہے۔ ان کا طریقہ واردات یہ ہے کہ جب وہ کسی اسلامی عقیدے کو باطل ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو خاموش ہو کر بیٹھ نہیں جاتے بلکہ ایسے ایسے شوشے چھوڑنے لگتے ہیں جن سے اس عقیدے پر مسلمانوں کا ایمان متزلزل ہو جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کے عقیدے کے بارے میں بھی انہوں نے یہی رویہ اپنایا ہے اور انہوں نے قرآن حکیم کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں بول کر مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں ہم مستشرقین کے قرآن حکیم کے متعلق اس قسم کے وسوسوں اور ان کی حقیقت سے قارئین کو آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ وسوسہ قرآن حکیم مین جدت کا فقدان ہے:

مستشرقین نے قرآن حکیم کے متعلق یہ تاثر عام کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ اس کی تعلیمات میں کوئی چیز نئی نہیں۔ جارج سیل کا بیان پہلے گزر چکا ہے، جس میں وہ کہتا ہے۔

"مجھے یقین ہے کہ قرآن حکیم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو محمد (ﷺ) نے ابتداء متعارف کرائی ہو۔ بلکہ قرآن حکیم میں جو کچھ ہے اس کو قدیم مصادر میں تلاش کیا جا سکتا ہے"۔(25)

مستشرقین میں یہ جملہ عام طور پر مشہور ہے:

"قرآن میں جو کچھ جدید ہے وہ صحیح نہیں اور جو صحیح ہے وہ جدید نہیں"۔

مستشرقین کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قرآن حکیم کی جو تعلیمات یہود و نصاریٰ سے اخذ کی ہیں وہ تو ٹھیک ہیں لیکن جو باتیں آپ نے اپنی طرف سے پیش کی ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔

وہ اپنے اس نظریے کو ذہن میں رکھ کر قرآن حکیم کی تعلیمات کا منبع تلاش کرنے کے لئے ہی عہد نامہ جدید و قدیم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جب انہیں قرآن حکیم کی کوئی بات سابقہ صحف سماویہ کے مطابق نظر آتی ہے تو بڑی خوشی سے اعلان کرتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے یہ بات فلاں جگہ سے اخذ کی ہے تا کہ قاری یہ محسوس کرے کہ قرآن حکیم خدا کا نازل کردہ کلام نہیں بلکہ حضور ﷺ نے دوسرے صحف سماویہ کی نقل کر کے اس کو تصنیف کیا ہے۔

مستشرقین صحف سماویہ کے علاوہ زمانہ جاہلیت کے عربوں کی روایات، مکی زندگی کے رسول و رواج اور جاہلی عرب شاعری میں بھی ایسے مقامات تلاش کرتے ہیں جن کو قرآن حکیم کا منبع قرار دیا جا سکے۔

مستشرقین کی خدمت میں گزارش ہے کہ انہوں نے یہ اصول کہاں سے حاصل کیا ہے کہ سچ وہی ہوتا ہے جو نیا ہو یا دین وہی سچا ہوتا ہے جو اپنے سے پہلے انسانی معاشرے میں موجود تمام عقائد، نظریات، روایات اور معمولات کو یکسر ملیامیٹ کر دے اور پھر ان کے کنڈروں پر عمارت نو تعمیر کرے۔ کیا اصلاحی تحریکیں وہی سچی ہوتی ہیں جو معاشرے کی ہر قدر کو، صحت و سقم کی تمیز کے بغیر، ملیامیٹ کر دیں اور پھر نظریات، اخلاق، اقدار اور روایات کا وہ مجموعہ پیش کریں جس کی پہلے کہیں نظیر نہ ملتی ہو؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بات تو سچ ہے کہ اسلام کی بہت سی باتیں ایسی ہیں جو نئی نہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ اسلام نے یہ باتیں کسی انسانی ذریعے سے حاصل کی ہیں۔

اسلام نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے جو حقائق پیش کیے ہیں وہ اس سے پہلے کسی نبی یا رسول نے پیش نہیں کیے؟

اسلام کا تو دعویٰ ہی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک تمام انبیائے کرام ایک ہی پیغام کے علمبردار بن کر تشریف لاتے رہے۔ حق ناقابل تغیر ہوتا ہے وہ زمانے کے بدلنے سے بدل نہیں جاتا۔ جو بات حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں حق تھی وہی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بھی حق تھی۔ جو بات حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حق تھی وہی بات حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں بھی حق تھی۔

چونکہ تمام انبیائے کرام حق کے علمبردار تھے، اس لئے ان کی تعلیمات اور ان کے پیغامات میں موافقت ایک قدرتی بات تھی۔ ہمارے ہاتھوں میں آج جو صحف سماوی موجود ہیں ان میں ہمیں جو باہم تضاد نظر آتا ہے وہ تضاد اس لئے نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ ایک دوسرے سے متضاد پیغام لے کر تشریف لائے تھے بلکہ یہ تضاد اس وجہ سے ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف کو صدیوں بازیچہ اطفال بنائے رکھا ہے۔ اگر آج بھی اصل تورات، زبور اور انجیل مل جائیں تو ان کی بنیادی تعلیمات اور قرآن حکیم کی بنیادی تعلیمات میں ذرا فرق نظر نہ آئے۔ تفصیلات کے معمولی اختلافات زمانے کے تقاضوں کے مطابق ضروری ہیں اور تفصیلات میں اختلاف حکمت کے عین مطابق ہے۔

قرآن حکیم تو بار بار اعلان فرماتا ہے کہ وہ پہلی آسمانی کتابوں کا مصدق اور مھیمن ہے۔ اگر اس کی تعلیمات ہر جگہ پہلی کتابوں کی تعلیمات سے مختلف ہوں تو نہ وہ پہلی کتابوں کا مصدق کہلا سکتا ہے اور نہ ہی مھیمن۔ اسلام میں تو ایمان بالرسالت اور ایمان بالکتب کا مطلب ہی یہ ہے کہ رسالت کے پورے ادارے اور الہامی کتابوں کے مکمل سلسلے پر ایمان لایا جائے۔ کوئی مسلمان صرف حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار کر کے ایمان بالرسالت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ ایمان بالرسالت کے تحقق کے لئے اسے تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایمان بالکتب کے لئے صرف قرآن پر ایمان کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان مجملاً یہ ایمان رکھے کہ سابق انبیاء و رسل پر جو کچھ نازل ہوا تھا وہ حق تھا۔ گویا اسلام کے اساسی عقائد ایمان بالرسل اور ایمان بالکتب کا تقاضا ہی یہ ہے کہ تمام رسول ایک ہی دین کے علمبردار ہوں اور تمام کتب سماوی کا منبع ایک ہو۔

اگر مستشرقین کے وسوسے کے مطابق کسی کتاب کے منزل من اللہ ہونے کا معیار یہ ہو کہ اس کی تعلیمات کسی دوسری کتاب کی تعلیمات کے مشابہ نہ ہوں تو ایمان بالکتب ممکن ہی نہیں رہتا۔ اس صورت میں تو ایمان بالکتاب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصطلاح استعمال کرنی ہوگی کہ ہر نبی کے پیروکار صرف ایک ہی کتاب پر ایمان رکھیں۔ اس سے صرف مسلمان ہی متاثر نہ ہوں گے بلکہ خود عیسائی مستشرقین کے لئے بھی ایک مسئلہ بن جائے گا۔

ہم مستشرقین سے پوچھتے ہیں کہ اگر انجیل کی کوئی بات تورات کے مطابق نظر آئے تو کیا وہ اس بنا پر انجیل کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کر دیں گے اور اسے تورات سے نقل شدہ کتاب قرار دیں گے؟

اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ انجیل میں اگر ایسی باتیں موجود ہوں جو سابقہ کتابوں میں بھی نظر آتی ہیں تو اس سے انجیل کے کلام خداوندی ہونے پر کوئی حرف نہ آئے اور اگر قرآن حکیم کی کوئی بات سابق صحف سماوی میں بھی آجائے تو اس کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کر کے اس کو سابقہ کتابوں کی نقل قرار دیا جائے؟

ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل پر جو کتابیں نازل فرمائی تھیں وہ حق تھیں۔ ان سب کا پیغام ایک تھا وہ سب ایک ہی آفتاب حق کی نورانی کرنیں تھیں ان سب کی تعلیمات ایک جیسی تھیں۔ لیکن ان کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی کسی دوسری کتاب کی نقل نہ تھی بلکہ ہر کتاب بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک برگزیدہ بندے اور رسول پر نازل فرمائی تھی۔ مستشرقین اگر کوئی ایک اصول بنا کر اسے تمام الہامی کتابوں پر لاگو کریں تو انہیں قرآن حکیم پر اعتراض کرنے کا قطعاً کوئی موقع نہ ملے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مستشرقین قرآن حکیم پر اعتراض کرنے کے لئے جو اصول وضع کرتے ہیں، ان اصولوں سے وہ ان کتابوں کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں جو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق منزل من اللہ ہیں۔

یہ وسوسہ کہ وقت کے ساتھ ساتھ قرآنی پیغام کی روح بدلتی رہی:

ڈارون نے اہل مغرب کے سامنے ارتقاء کا جو نظریہ پیش کیا، اسے انہوں نے ہر میدان میں دل کھول کر استعمال کیا۔ کائنات بحر و بر اور عالم ارض وسماء میں قدرت خداوندی کی ان گنت نشانیاں دیکھنے کے باوجود انہوں نے وجود خداوندی کا انکار کیا اور اس انکار کی علمی دلیل کے طور پر انہوں نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو استعمال کیا۔

انہوں نے حضرت انسان جیسی اعلیٰ مخلوق کے لئے کسی خالق کے وجود کا انکار کیا اور پھر پانی میں ظہور حیات کے مرحلے سے لے کر کاروان حیات کے منزل انسانیت پر پہنچنے تک، مختلف کڑیاں گھڑتے اور ملاتے رہے اور اس چیستاں کے سہارے خدا کے وجود کو غیر ضروری قرار دے کر درمیان سے نکال دیا۔

مستشرقین کی اکثریت گو یہودی اور عیسائی ہے اور وجد خداوندی کی بھی قائل ہے اور خدا کو کائنات کا خالق بھی مانتی ہے لیکن اس کے باوجود قرآن حکیم کے متعلق ان کا رویہ حیران کن ہے۔ قرآن حکیم ان کے سامنے ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں اس کے کلام خداوندی ہونے کے بین دلائل موجود ہیں۔ اس میں ہمہ جہتی معلومات کا وہ سمندر موجزن ہے کہ اسے کسی علیم وخبیر ہستی کی طرف نسبت کئے بغیر چارہ نہیں۔ اس کتاب کو لانے والا پیغمبر اس کو رب کائنات کی طرف منسوب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا ہے لیکن یہ انتساب مستشرقین کے مفادات کے لئے خطرناک ہے۔ وہ ہر قیمت پر اس کتاب کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اگر اسے خدا کا کلام تسلیم کرلیا جائے تو ان کی تحریک کے قصر رفیع کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ ان کے اسلاف کی صدیقس کی محنت رائیگاں جاتی ہے۔ اس لئے وہ قرآن کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کیوں نہ قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کرنے کیلئے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو استعمال کیا جائے۔

اگر کتاب کائنات کے صفحے صفحے پر قدرت خداوندی کے ایسے نشانات ثبت ہونے کے باوجود، جنہیں ہر عالم اور جاہل، ذہین اور غبی دیکھ رہا ہے سائنسدان نظریہ ارتقاء کے ذریعے خدا کے وجود کا انکار کرسکتے ہیں تو مستشرقین اس نظریے کے ذریعے قرآن کے کلام خداوندی ہونے کا انکار کیوں نہیں کرسکتے

مستشرقین نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ قرآن عربی زبان کی کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ کے لئے تعلیم اور عربی زبان کا جاننا ضروری ہے۔ کروڑوں لوگ ایسے ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود قدرت خداوندی کے ان نشانات کو دیکھنے سے قاصر ہیں جو قرآن حکیم کے صفحات میں جابجا بکھرے پڑے ہیں اور جو اعلانیہ اس کتاب کے کلام خداوندی ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ اربوں غیر مسلم ایسے ہیں جنہوں نے شاید قرآن کا نام بھی نہ سنا ہو۔ ان غیر مسلموں کو اور قرآن کی تعلیمات سے بے بہرہ مسلمانوں کو یقین دلانے کے لئے کہ یہ کتاب کلام خداوندی نہیں، نظریہ ارتقاء کو بڑی کامیابی سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے کہ یہ بات عام مسلمانوں کو بھی عجیب لگے کہ مستشرقین نے قرآن حکیم کے کلام خداوندی ہونے کے عقیدے کے خلاف نظریہ ارتقاء کو استعمال کیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ سوچنا قدرتی بات ہے کیونکہ مسلمانوں کو اپنے دین کو حق ثابت کرنے کیلئے جھوٹ، فریب، ریاکاری اور عیاری کے حربے استعمال کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔

اپنے دنیوی معاملات میں وہ یہ سارے حربے استعمال کرتے ہوں گے لیکن اپنے دین کی کسی تعلیم کو ثابت کرنے کے لئے وہ یہ حرکت کبھی نہیں کرتے اور نہ انہیں اس کی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ ان کا دین حق ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے کلمہ حق ہی کام آتا ہے۔ ان کا دین وہ ہے جس کو رب قدوس نے اتارا ہی غالب ہونے کے لئے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون (26)

"وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تا کہ وہ غالب کردے اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب دینوں پر خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک"۔

مسلمانوں کا دین حق ہے۔ وہ الب ہونے کے لئے نازل ہوا ہے اور مسلمانوں کو اس کے غلبے کی جدوجہد میں کسی منفی ہتھکنڈے کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن مستشرقین کا معاملہ مختلف ہے وہ ایک ایسی بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔ اس لئے ان کے لئے منفی ہتھکنڈے استعمال کیئے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں۔

مستشرقین نے نظریہ ارتقاء کو اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے ظن وتخمین کے زور سے قرآن حکیم کی ترتیب نزولی گھڑی۔ مسلمان قرآن حکیم کی نزولی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ مکی دور اور مدنی دور۔ جب کہ مستشرقین مکی دور کر پھر تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، اس خود ساختہ تقسیم کی رو سے وہ اس قسم کی مفروضے گھڑتے ہیں کہ آج اسلامی عقائد وعبادات کا جو مجموعہ ہمارے سامنے ہے یہ مرور زمانہ کے ساتھ ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا اپنی موجودہ شکل میں جلوہ گر ہوا ہے۔ ورنہ قرآن حکیم کی ابتدا میں نازل ہونے والی سوتوں میں بت پرستی کی مخالفت نہیں کی گئی۔ ان کے خیال میں حضورﷺ نے قرآن میں اللہ کا لفظ کم استعمال کیا، اس کی جگہ کبھی ضمیر استعمال کی، کبھی ربک کا لفظ استعمال کیا اور کبھی رحمٰن کا لفظ استعمال کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کا لفظ کفار مکہ کے ہاں بھی استعمال ہوتا تھا اور آپ اپنے دین کے حوالے سے اس کو زیادہ استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسی نظریے کے مطابق وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مکی قرآن حضرت جبری لامین لے کر نازل نہیں ہوئے کیونکہ مکی قرآن میں ان کے نام کا کہیں ذکر نہیں۔ وہ تو صرف مدنی قرآن لے کر نازل ہوئے کیونکہ مدنی سورتوں میں ان کا نام مذکورہ ہے۔

ہم یہاں مستشرقین کی تحریروں سے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے قارئین کرام یہ اندازہ کر سکیں گے کہ کس طرح مستشرقین نے قرآن حکیم کی نزولی تاریخ کو اسلام کے خلاف استعمال کیا ہے اور کس طرح وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآنی پیغام میں وقت کے بلدتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ردوبدل ہوتا رہا اور حضورﷺ کو جب کسی مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو آپ نے اس مشکل سے نکلنے کیلئے پہلے نازل ہونے والی آیات کے برعکس ایک نئی آیت پیش کر دی۔

جارج سیل کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔ وہ کہتا ہے؛

''اس کے علاوہ قرآن کی کئی آیات عارضی ہیں اور کسی مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جو محمد (ﷺ) کو الجھاؤ یا پریشانی میں مبتلا کر دیتا اور اس سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوتی تو محمد (ﷺ) ہمیشہ نئی وحی کا سہارا لیتے۔ جو اس قسم کی صورت حاصل سے نکلنے کا قابل اعتماد معصوم ذریعہ تھا اور انہوں نے دیکھا کہ اس طریقہ کار کی کامیابی ان کی توقعات کے مطابق ہے۔ یقیناً یہ محمد (ﷺ) کا قابل تعریف اور سیاسی اختراع تھا کہ آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سارے قرآن کو بیک وقت صرف پہلے آسمان تک لائے لیکن زمین پر نہیں لائے جیسے کہ کوئی نا تجربہ کار پیغمبر ضرور کرتا۔ کیونکہ اگر سارا قرآن بیک وقت نازل ہوتا تو بہت سارے اعتراضات پیدا ہوتے جن کا جواب محمد (ﷺ) کے لئے ناممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہوتا۔ لیکن انہوں نے ظاہر یہ کیا کہ ان پر قرآن مختصر حصوں میں نازل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لئے مناسب سمجھتا ہے۔ اس طرح ان کے لئے تمام ہنگامی حالات کے نمٹنے اور مشکلات سے نکلنے کا بہترین ذریعہ موجود تھا۔" (27)

جارج سیل یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے دعویٰ نبوت کا سچا ثابت کرنے کے لئے قرآن لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ طریقہ کار یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو آپ اس کے مطابق کوئی آیت پیش کر دیتے ۔ پھر جب کوئی نئی صورت حال پیش آتی تو اس سے نمٹنے کے لئے آپ کوئی نئی وحی پیش کر دیتے۔ مستشرق مذکور یہ تاثر دیان چاہتا ہے کہ قرآن کے بیک وقت نازل نہ ہونے کا مقصد یہ تھا کہ اس صورت میں قرآن کو ہنگامی حالات سے نکلنے کے لئے استعمال نہ کیا جاسکتا تھا۔ حیرت ہے کہ جارسیل اور اسکے ہم نوا ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قرآن حکیم کا علم یہود و نصاریٰ سے حاصل کی تھا اور یہاں وہ کہہ رہے ہیں کہ جب صورت حال تقاضا کرتی تو آپ خود قرآن کی آیات بنالیتے اور کہتے کہ یہ آسمان سے وحی آئی ہے۔

جارج سیل صاحب ذرا بتائیں کہ جب اس قسم کی صورت حال پیش آتی تھی تو کیا حضور ﷺ اس کا حل پوچھنے کیلئے کسی ایک آدمی کے پاس تشریف لے جاتے تھے جو سابقہ الہامی کتب کا عالم ہو۔؟ اگر ایسا ہوتا تو سب لوگوں کو اس کا علم ہوتا اور آپ پیش آمدہ مشکل سے نکلنے کے بجائے زیادہ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔

کیا حضور ﷺ نے آئندہ تیئیس سال کے عرصہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات کے جوابات یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے لوگوں سے پوچھ کر اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے کہ جب بھی ایسی صورت حاصل پیش آئے، مختلف مصادر سے حاصل کیا ہوا وہ جواب لوگوں کے سامنے پیش کیا جاسکے؟ کیا حضور ﷺ نے مختلف مصادر سے حاصل ہونے والے ان معلومات کو کسی کتاب کی شکل میں اپنے پاس جمع کر رکھا تھا اور حسب ضرورت وہاں سے آیت نکال کر لوگوں کو سنا دیتے تھے۔؟

لیکن مستشرقین تو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور سے پہلے قرآن کتابی شکل میں موجود ہی نہ تھا، اس لئے وہ حضور ﷺ کے پاس کتاب کی شکل میں قرآن حکیم کی موجودگی کا تصور کیسے کر سکتے ہیں۔

یوں لگتا ہے جیسے جارج سیل صاحب یہ ماننے کے لئے تو تیار نہیں کہ قرآن آسمان سے نازل ہوا، لیکن اپنے اعتراض میں قوت پیدا کرنے کے لئے وہ یہ تسلیم کرنے پر تیار نظر آتے ہیں کہ حضور ﷺ وقت پڑنے پر پہلے آسمان پر موجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم سے مطلوبہ آیات لے لیا کرتے تھے۔ اگر جارج سیل صاحب کے اقتباس سے یہ تاثر لینا صحیح نہیں تو پھر یہ سوال اٹھ کھڑا ہوگا کہ اس قسم کی ہنگامی صورت حال میں جو آیات نازل ہوتی تھیں وہ آپ کو کون سکھا تا تھا۔ یہی وہ سوال ہے جس کے جواب کیلئے جارج سیل اور اس کے ہم مشرب مستشرقین نے کئی مفروضے گھڑے ہیں۔

سچ ہے ''جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے''۔ جارج سیل نے ان آیات کی نشاندہی نہیں کی جن کو وہ عارضی اور وقتی ضرورتوں کا جواب قرار دیتے ہیں۔ اگر وہ اس قسم کی آیات کی نشاندہی کرتے تو ہم ضرور ان کو دکھاتے کہ کس طرح وہ آیات ،جن کو وہ عارضی سمجھتے ہیں، چودہ سال سے کروڑوں انسانوں کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں اور ہر دور میں ان کی اہمیت ایک نئی شان سے ظاہر ہوتی ہے۔

جارج سیل صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر وہ سچ ہوتا تو حضورﷺ کے گرد پیروکاروں کا جو ہجوم تھا وہ چھٹ جاتا ۔مستشرقین کو معلوم ہے کہ ان لوگوں میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے دیدہ بینا رکھنے والے لوگ تھے جن کی بصیرت پورے علاقے میں مشہور تھی۔ ان میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جری لوگ تھے، جن کے بارے میں مداہنت کا گمان کرنا تاریخ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ حضورﷺ کی جو بات کئی صدیاں بعد جارج سیل پر ظاہر ہوگئی ہے وہ حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنھما جیسے ذہین لوگوں کی نظروں سے کیسے پوشیدہ رہی؟

ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ مستشرقین کے یہ سارے وسوسے جھوٹے ہیں اور قرآن حکیم کا یہ ارشاد سچا ہے:

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ (28)

انہوں نے جو جوان سے پہلے تھے۔ پھر دیکھ کیسا انجام ہوا ظالموں کا''۔

منٹگمری واٹ نے اپنے مخصوص انداز میں دوست بن اسلام پر حملہ کیا ہے۔ وہ آغاز وحی پر بحث کرتے ہوئے ان احادیث کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضورﷺ کو آغاز وحی کے وقت سچے خواب دکھائی دیتے تھے ۔پھر اس نے حضورﷺ کے جبریل امین کو دیکھنے کا ذکر کیا۔ پھر اس نے سورۂ نجم اور سورۂ تکویر کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا جن میں رویت کا ذکر ہے۔ پھر یہ مستشرق ان تمام آیات اور احادیث کے مفہوم کو جمع کر کے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ حضورﷺ نے اللہ کو دیکھا۔ اور اس کی دلیل یہ دیتا ہے کہ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (2) میں عبد کا ذکر ہے یہ عبد جبریل کا نہیں بلکہ خدا کا ہی ہوسکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضورﷺ نے خدا کو دیکھا تھا جبریل کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اکثر مسلمان مفسرین بھی اس قول کو پسند کرتے ہیں۔

بظاہر منٹگمری واٹ مسلمانوں کا بڑا ہمدرد بن رہا ہے اور ظاہر یہ کر رہا ہے کہ وہ حضورﷺ کے لئے رویت باری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثابت کر رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ ثابت یہ کر رہا ہے کہ نزول وحی کے سلسلے میں حضور ﷺ نے اپنی احادیث طیبہ میں جہاں جبرائیل کے دیکھنے کا ذکر کیا ہے وہاں درحقیقت آپ نے جبریل کو نہیں بلکہ خدا کو دیکھا تھا۔ ساتھ ہی وہ حضور ﷺ پر یہ بے بنیاد الزام بھی لگاتا ہے کہ آپ ابتدا میں یہی سمجھتے رہے کہ آپ خدا کو دیکھتے ہیں لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہودی رویت باری کو ناممکن سمجھتے ہیں اور خود قرآن بھی کہتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (1) ''نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں' تو آپ نے اپنا موقف بدل لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ نے خدا کو نہیں جبریل کو دیکھا تھا۔ منٹگمری واٹ کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں وہ کہتا ہے:

"Muhammad at least for a time believed he had seen the supreme deity, and presumably still believed this when sura 53 revealed. Later, especially when he learnt that Jews and Christians held that God cannot be sen. he come to think that the vision had been not of God but of an angel. In 6-113 it is asserted that sight reaches him (God) not. (29)

''محمد ﷺ کو کم از کم کچھ عرصہ یہ یقین رہا کہ انہوں نے اللہ کو۔ اور شاید ان کو یہ اعتقاد اس وقت تک قائم تھا جب سورۃ نمبر 53 (نجم) نازل ہوئی۔ بعد میں، خصوصاً جب ان کو معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کو دیکھنا ممکن نہیں، تو انہوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ انہوں نے خدا کو نہیں بلکہ جبریل کو دیکھا تھا۔ سورۃ نمبر 6 کی آیت 113 میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ نظریں اسے گھیر نہیں سکتیں''۔

منٹگمری واٹ اس مفروضے کے ذریعے اسلام کے قصر رفیع کی بنیادیں ہلانا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کا ایمان یہ ہے کہ وحی لانے والے فرشتے حضرت جبریل امین تھے اور جب وہ وحی لاتے تو حضور ﷺ ان کو دیکھتے۔ مستشرق مذکور یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ مکی دور میں وحی حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے نہیں آتی تھی بلکہ حضور ﷺ براہ راست اللہ تعالیٰ سے وحی وصول کرتے تھے۔ اپنے اس مفروضے کو ثابت کرنے کیلئے وہ وحی کی مختلف صورتوں کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مکی دور کی وحی فرشتے کے ذریعے نہیں تھی بلکہ وحی براہ راست اللہ تعالیٰ سے وصول کرتے تھے۔ مستشرق مذکور چاہتا ہے کہ اس کا یہ مفروضہ ثابت ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا یہ دعویٰ باطل ہو جائے گا کہ سارا قرآن حکیم حضرت جبریل امین کے ذریعہ حضور ﷺ کے قلب انور پر اترا تھا۔ اس دعویٰ کے بطلان کے ساتھ رویت خداوندی کو محال ثابت کر کے وحی کے سارے سلسلے کو ہی ناقابل اعتبار ثابت کیا جا سکتا ہے۔

قارئین کرام کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہم نے اس باب کا نام مستشرقین کے وسوسے کیوں رکھا ہے، اس کا نام مستشرقین کے اعتراضات کیوں نہیں رکھا۔ اعتراض کے لئے علمی بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وسوسے کے لئے کسی علمی بنیاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستشرقین عموماً ہر واقعہ کو تاریخی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور قرآن حکیم کے مختلف بیانات کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنے کیلئے انہوں نے خود قرآن حکیم کیھ نزول کی تاریخ اپنے تخیل کے زور پر مرتب کی ہے۔ لیکن منٹگمری واٹ نے یہاں حضورﷺ کے رویائے صادقہ، نزول وحی کے وقت حضورﷺ کے جبریل امین کو دیکھنے اور شب اسریٰ کی رویت کے واقعات کو ایک دوسرے میں گڈ مڈ کر کے ان سے نتیجہ اخذ کرلیا کہ حضورﷺ نے کسی مافوق الفطرت ہستی کا مشاہدہ کیا۔ آپ کافی عرصہ یہ سمجھتے رہے کہ آپ نے خدا کو دیکھا ہے لیکن جب آپ کو یہود و نصاریٰ سے اس بات کا علم ہوا کہ خدا کو دیکھنا ممکن نہیں تو آپ نے اپنا پہلا موقف بدل لیا اور کہنا شروع کر دیا کہ میں نے جبریل کو دیکھا تھا۔

مستشرق مذکورہ کی طرف سے یہ اسلام کے خلاف کتنی خطرناک وسوسہ اندازی ہے۔ حضورﷺ کے عام رویائے صادقہ میں یہ ضروری نہ تھا کہ آپ ہمیشہ کسی مافوق الفطرت ہستی کا مشاہدہ فرماتے۔ ان رویائے صادقہ کی کیفیت تو یہ تھی کہ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ ہو بہو پیش آ جاتا اور آپ اس حالت کو حالت بیداری میں اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیتے۔ جن احادیث طیبہ میں وحی لانے والے فرشتے جبریل کو دیکھنے کا ذکر ہے وہاں حضورﷺ نے ہمیشہ اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ نے فرشتے کو دیکھا ہے۔ خدا کو دیکھنا کسی روایت میں موجود نہیں اور یہ منٹگمری واٹ نے محض اپنے تخیل کے زور پر ایک مفروضہ گھڑا ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

جہاں تک سورہ نجم کی آیات میں رویت کا تعلق ہے اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضورﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو۔ یہ اختلاف بعد کے مفسرین میں پیدا نہیں ہوا بلکہ صحابہ کرام کے درمیان بھی اس مسئلے میں اختلاف تھا۔ اگر حضورﷺ سورۃ نجم نازل ہونے کے بعد تک یہ فرماتے رہے ہوتے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، جیسے کہ منٹگمری واٹ کہہ رہا ہے، اور طویل عرصہ بعد یہ اعلان کرتے کہ نہیں میں نے جبرائیل کو دیکھا تھا، تو اس کے ردعمل کے طور مسلمانوں کا آپس میں اجتہادی اختلاف ظاہر نہ ہوتا بلکہ ان یک دلوں میں ایمان کا جو پودا لہلہا رہا تھا وہ جڑوں سے اکھڑ جاتا اور وہ بھی حضورﷺ کے بارے میں وہی کچھ سوچنے لگتے جو منٹگمری واٹ سوچ رہا ہے۔

جو لوگ حضورﷺ کے حلقہ عقدیت میں شامل تھے، انہوں نے یوں ہی اسلام قبول نہ کرلیا تھا۔ کوئی بچپن سے آپ کے شب و روز کا مشاہدہ کرتا چلا آ رہا تھا۔ کسی نے اسلام کے شجرہ طیبہ کو جڑوں سے اکھیڑ پھینکنے کے لئے اپنی ساری صلاحتیں صرف کی تھیں اور نا کام ہونے کے بعد اپنی ناکامیوں کا واحد سبب یہ سمجھا تھا کہ جس پودے کو وہ اکھیڑنا چاہتا ہے، اس کی حفاظت وہ ہستی کر رہی ہے جو اس سے زیادہ طاقتور ہے۔ انہوں نے دلیل اور تلوار دونوں ذرائع سے اسلام کو مٹانے کی کوششوں کے بعد ناکام ہو کر اس کی دہلیز پر جبیں فرسائی کی تھی۔ اندھی تقلید ان کے نزدیک کفر تھی۔ یہ سمجھنا ان کے لئے مشکل نہ تھا کہ حضورﷺ جس ہستی کو کل تک خدا قرار دیتے رہے وہ ہستی یکا یک جبریل کیسے بن گئی۔ اگر ان کے نوٹس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی کوئی بات آئی ہوتی تو حضورﷺ کی صداقت پران کا ایمان متزلزل ہو جاتا۔ان کے نوٹس میں اس قسم کی کسی بات کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے محبوب راہنما کی زبان پاک سے جو کچھ سننے کو ملتا تھا، اس سے ان کا ایمان متزلزل نہیں بلکہ مزید تازہ اور قوی ہو جاتا تھا۔اور اپنے پیارے دین کی اشاعت اور اپنے محبوب راہنما کی ناموس کی حفاظت کے لئے کٹ مرنے کا جذبہ ان کے دلوں میں جوان ہو جاتا تھا۔اس لئے منٹگمری واٹ جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ اس کے مریض دل کی آواز ہے۔اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کی اس قسم کی وسوسہ اندازیوں سے اسلام کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

منٹگمری واٹ کا یہ کہنا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ذکر مکی قرآن میں کہیں نہیں، یہ ایسا ہی ہے کہ جان میجر (1)(John Major) کسی تقریب میں شریک ہو۔سٹیج سیکرٹری اعلان کرے کہ جناب وزیر اعظم تشریف لائے ہیں اور وہ تقریر کریں گے۔وزیر اعظم تقریر کریں اور تقریب کے اختتام تک تقریب میں موجود رہیں۔لیکن دوسرے دن برطانیہ کے اخبارات یہ سرخی لگائیں کہ ''جان میجر'' نے اتنی اہم تقریب میں شرکت نہیں کی اور دلیل یہ دیں کہ انہوں نے سٹیج سیکرٹری کی زبان سے جان میجر کا نام نہیں سنا۔

ہم اس بات کا داد دیتے ہیں کہ جناب 'واٹ'' نے سارے قرآن حکیم کو امعان نظر سے دیکھا اور اس حقیقت کو دریافت کیا کہ جبریل کا لفظ ان سورتوں میں نہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں۔لیکن کیا مستشرق مذکور نے یہ آیہ کریمہ نہیں دیکھی۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍۙ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍؕ (30)

''(قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔جو قوت والا ہے۔مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔(سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔''

اور کیا یہ آیۃ کریمہ مسٹر منٹگمری واٹ صاحب کی نظر سے نہیں گزری۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (31)

''فرمائیے: نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔''

یا کیا مسٹر منٹگمری واٹ نے قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۙ(32)

''اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل) آپ کے قلب (منیر) پر تا کہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔''

سورۃ تکویر، سورۃ النحل اور سورۃ الشعراء تینوں مکی سورتیں ہیں۔ان سورتوں میں وحی لانے والے کو، الرسول الکریم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

،روح القدس اور روح الامین کہا گیا ہے۔اور علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تمام حضرت جبریل امین کے القاب ہیں (2)۔اور امت مسلمہ کے علماء مفسرین قرآن حکیم کے مفاہیم و مطالب کو جناب ''واٹ'' کی نسبت زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

منٹگمری واٹ سارے قرآن حکیم کے حضرت جبریل امین یک ذریعے نازل ہونے کے تصور کو متاخر مسلمانوں کی اختراع کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قرآن میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ سارا قرآن حکیم حضرت جبریل امین کے ذریعے نازل ہوا۔مسٹر واٹ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

"After the third manner, with Gabriel as teh messenger, was taken to be the normal or standard one, Muslim scholars tended to read this back into early passages where the manner was probably different. In the Meccan period, however, messengers other than Gabriel were spoken of. Sometimes there is mention of the spirit, by itself........ When this last was accepted as normal by later Muslims, the spirit was identified with Gabriel, though there isno direct evidence for this in the Quran". (33)

''بعد میں جب وحی کا تیسرا طریقہ،جس میں جبرائیل کو وحی لانے والا فرشتہ تسلیم کیا گیا ہے،قرآن کے نزول کا تسلیم شدہ طریقہ قرار پا گیا تو مسلمان علماء اس طریقے کو قرآن کے ابتداء میں نازل ہونے والے حصے پر بھی لاگو کرنے کی کوشش کی،جس کے نزول کا ذریعہ غالباً مختلف تھا۔مکی سورتوں میں جبریل کے علاوہ دیگر فرشتوں کا ذکر ملتا ہے۔کئی مقامات پر خود ''روح'' کو جبریل قرار دے دیا گیا حالانکہ قرآن میں اس کی کوئی براہ راست شہادت موجود نہیں۔

منٹگمری واٹ صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مکی قرآن کے نزول کو جبریل امین کی طرف منسوب کرنا اور روح یا روح القدس کو جبریل قرار دینا متاخر مسلمانوں کی اختراع ہے،حالانکہ ابتدا میں یہ تصور نہ تھا اور نہ ہی قرآن میں اس کا کوئی ذکر ہے۔

منٹگمری واٹ نے جس طرح قرآن حکیم پر تبصرے کیئے ہیں،اس سے اس بات میں شک نہیں رہتا کہ انہوں نے سارے قرآن حکیم کا امعان نظر سے مطالعہ کیا ہے وگرنہ وہ یہ نہ کہہ سکتے کہ مکی قرآن میں جبریل امین کا کہیں ذکر نہیں اور وہ یہ دعوئی نہ کر سکتے کہ قرآن میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں کہ سارا قرآن جبریل امین کے ذریعے نازل ہوا۔

مستشرقین کا طریقہ واردات یہ ہے کہ جو بات ان کے مطلب کی ہو وہ رائی کے دانے کے برابر بھی ہو تو ان کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔لیکن جو بات ان کے مطلب کی نہ ہو وہ پہاڑ کے حجم کی ہو تو بھی ان کی نظر التفات کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر منٹگمری واٹ اپنی آنکھوں سے حسد کا عینک اتار دیتے تو ان کو قرآن حکیم میں یہ آیت نظر آجاتی:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (34)

"آپ فرمائیے: جو دشمن ہو جبریل کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے"۔

یہ آیۃ کریمہ سورہ بقرہ کی ہے جو مدنی ہے لیکن یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ سارا قرآن خواہ مکی ہو خواہ مدنی و جبریل امین لے کر نازل ہوئے۔

جب یہاں حضرت جبریل امین کا نام لے کر وضاحت کر دی گئی کہ سارا قرآن حکیم لے کر وہ نازل ہوئے تو یہ بات واضح ہو گئی کہ جن آیات میں نزول قرآن کی نسبت روح القدس، الرسول الامین یا الرسول الکریم کی طرف کی گئی ہے وہاں یہ سب نام حضرت جبریل امین علیہ السلام کے القاب کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

دراصل منٹگمری واٹ صاحب قرآن حکیم کو عقیدۂ تثلیث کی عینک لگا کر دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی تثلیت میں روح القدس (Holy Spirit) کو جس مفہوم میں استعمال کرنے کے عادی ہیں، وہ قرآن حکیم کے روح القدس اور الروح الامین کو بھی اسی مفہوم میں دیکھا چاہتے ہیں۔ لیکن جس طرح اسلام کی خالص توحید اور نصرانیت کی تثلیت زدہ توحید میں کوئی مناسبت نہیں ہے، اسی طرح اسلام کے روح القدس اور نصرانیت کے Holy Spirit میں بھی کوئی مناسبت نہیں۔

اگر مسٹر واٹ صاحب تثلیت اور حسد کی عینک اتار دیتے تو ان کو حق روز روشن کی طرح واضح نظر آجاتا۔ لیکن وہ حق کا رخ زیبا دیکھنے کے متمنی ہی نہیں۔ وہ تو اسلام کے خلاف اپنے سینے میں بھڑکنے والی حسد، بغض اور کینے کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس قسم کی باتیں لکھتے ہیں۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ج صلے وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ط (35)

"ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے"۔

مستشرقین نے نظریہ ارتقاء کو جس طرح قرآن حکیم کے خلاف استعمال کیا اس کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ مستشرقین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آج اسلام کے جو عقائد، اعمال بلکہ تاریخ ہمارے سامنے ہیں، یہ ابتدا سے نہیں بلکہ آج مسلمان جو عقیدے رکھتے ہیں وہ اسلام کے ارتقائی عمل سے گزرنے کے بعد کے عقائد ہیں جن میں زمانے کے بدلنے کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔

اسلام پر یہ مہلک وار کرنے کیلئے وہ "رچرڈ بیل" اور "نولڈک" وغیرہ کی قرآن حکیم کی نزولی ترتیب پر بھروسہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں حالانکہ وہ ترتیب ان لوگوں کے تخیل کا اختراع سے زیادہ کچھ نہیں جن کے سینوں میں اسلام کے خلاف عداوت اور حسد کی آگ بھڑک رہی ہے۔ جن لوگوں کے سینوں میں اسلام کا بغض اس حد تک پہنچ چکا ہے، ان سے اسلام کے متعلق کوئی بات غیر جانبدارانہ یا معروضی انداز میں لکھنے کی توقع رکھنا خود فریبی ہے۔

شرک کی مخالفت اور توحید کا پرچار اسلامی تحریک کا پہلا نکتہ ہے۔ قرآن حکیم شرک کی مخالفت اور توحید کے اعلانات سے بھرا پڑا ہے۔ صفحے صفحے اور سطر سطر پر لوگوں کی توجہ انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں کی طرف مبذول کروا کے ان کو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کائنات ارضی وسماوی کی ہر شے کا خالق و مالک صرف اللہ ہے تو پھر اس کے سوا کوئی دوسرا خدا کیسے ہوسکتا ہے۔ لیکن مستشرقین کے تخیل کی جولانیوں کا مشاہدہ کیجئے کہ انہوں نے قرآن حکیم کی جو ترتیب نزولی خود گھڑ رکھی ہے۔ اس کے پیش نظر وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کی ابتدائی میں نازل ہونے والی آیات میں نہ تو خدا کے واحد ہونے کا تصور موجود ہے اور نہ ہی ان میں بت پرستی کی کہیں مخالفت کی گئی ہے۔ توحید کا اثبات اور شرک کی نفی تو ایسے تصورات ہیں جو اسلام نے اس وقت اپنائے جب وہ ارتقائی مراحل سے گزر کر کمال تک پہنچ چکا تھا۔

اپنے اس قسم کے تصورات کو لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کے لئے مستشرق منٹگمری واٹ پہلے یہ شوشہ چھوڑتا ہے!

''محمد ﷺ کی زندگی کے آخری سالوں میں حالات اتنے بدل چکے تھے کہ لوگوں کو یہ یاد نہ تھا کہ اسلام کا آغاز کس طرح ہوا تھا۔ مسلمان قرآن کی جن آیتوں کو اولین آیات قرار دیتے ہیں ممکن ہے ان سے پہلے بھی کچھ آیات نازل ہوئی ہوں اور ہمارا اندازہ یہ ہے کہ قرآن کی کچھ آیات جو سب سے پہلے نازل ہوئیں، ان کو مٹا دیا گیا ہے'' (36)

مستشرقین جو کچھ کہتے ہیں انہیں اس کیلئے کوئی مضبوط بنیاد تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، وگرنہ منٹگمری واٹ یہ بات نہ لکھ سکتا۔ مسلمان چودہ سو سال کے عرصہ میں جن چیزوں کو نہیں بھولے، ان کے بارے میں ''واٹ'' صاحب فرما رہے ہیں کہ انہیں مسلمان تیئس سال کے عرصے میں بھول گئے تھے۔ مستشرق مذکور حضور ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کی کیفیات کو فراموش کرنے کا الزام ان نفوس قدسیہ پر لگا رہا ہے جو حضور ﷺ کے وضو کے پانی اور آپ کے لعاب دہن کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تے۔ جو لوگ حضور ﷺ کے بالوں کو اپنے پاس بطور تبرک رکھنے کو اپنے لئے سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے، ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے دور نبوت کے ابتدائی ایام کو فراموش کر دیا تھا۔

مسٹر واٹ جانتے ہیں کہ وہ عرب ہزاروں اشعار پر مشتمل کئی کئی قصائد کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے اور انہیں اپنے حافظے پر اتنا اعتماد تھا جتنا شاید مسٹر واٹ کو اپنی تحریروں پر بھی نہ ہو۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے آخر میں مسلمان، اسلام کے آغاز کے متعلق جن حقائق کو بھول گئے تھے، وہ مسٹر واٹ اور اس کے ہمنواؤں کے سراغ رساں تخیل سے نہیں بچ سکے۔ مسٹر واٹ اسلام کے آغاز کے متعلق فراموش شدہ حقائق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمارا اسلام کے بارے میں پہلے سے قائم کردہ تصور یہ ہے کہ خدا کی قدرت اور رحمت ورافت کے تصور کو نزول قرآن کی ابتدا ہی سے اہم حیثیت حاصل رہی ہے لیکن یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ ہمارا یہ تصور اسلام کے اس متاخر اور ترقی یافتہ اصول سے تشکیل پذیر ہوا ہے کہ اللہ ایک ہے اور بت کچھ بھی نہیں ہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں محمد (ﷺ) کا ابتدائی پیغام بت پرستی کے خلاف نہیں تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابتدائی اسلام کے مخاطب وہ لوگ تھے جن کے ہاں خدا کا مبہم سا تصور پہلے سے موجود تھا۔''(37)

منٹگمری واٹ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی کتاب ''محمد ایٹ مکہ'' میں لکھتے ہیں: ''مزید برآں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قرآن کی پہلے نازل ہونے والی آیات میں اس بات پر بالکل زور نہیں دیا گیا اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ ممکن ہے کہ محمد (ﷺ) کا عقیدہ بھی کسی حد تک وہی ہو جو ان کے ہم عصروں کا تھا کہ اللہ تعالیٰ بڑا خدا ہے جس کے سامنے دوسری چیزیں شفاعت کر سکتی ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ محمد (ﷺ) اس قسم کی چیزوں کو جھوٹے خدا سمجھتے ہوں لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ ان چیزوں کو فرشتوں سمجھتے ہوں۔ ایک بڑی عجیب چیز جس کا یہاں ذکر مناسب ہوگا، وہ یہ ہے کہ قرآن کی ابتدائی آیات میں اللہ کا لفظ بہت کم استعمال ہوا ہے۔ بلیشیئر (Blachere) کی ترتیب کے مطابق پہلی تیس سورتوں میں اللہ کا لفظ تسمیہ کے علاوہ صرف دس سورتوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کا لفظ جن آیات میں استعمال ہوا ہے وہ متعلقہ سورتوں کی باقی آیات کی نسبت متاخر تھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ اللہ والی آیات جامعین قرآن نے بعد میں سوتوں کے آخر میں ملا دی ہوں۔ اس کے برعکس ''ربک، ربھم یا ربکم کے الفاظ بیس سورتوں میں استعمال ہوئے ہیں اور ہر سورت میں کئی کئی بار مستعمل ہیں۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ محمد (ﷺ) کے دینی تجربے میں مرکزی حیثیت ان خوابوں کو حاصل تھی جن کا ذکر سورۃ نمبر 53 (سورۃ النجم) میں ہے جن کے مطابق انہوں نے جس ذات کو دیکھا تھا وہ ''رب'' کی ذات تھی ''اللہ'' کی ذات نہیں تھی، جس کا تصور عام مکہ والوں کے ذہنوں میں تھا۔ مشرکین کا اللہ کو تسلیم کرنا موحدوں کے لئے مسائل پیدا کر سکتا تھا۔ البتہ آہستہ آہستہ محمد (ﷺ) کو یقین ہو گیا کہ ''رب'' جس کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہے، وہ وہی اللہ ہے جس پر عیسائی یہودی اور دوسرے ایمان رکھتے ہیں اور جو خدائے یکتا ہے''(38)

منٹگمری واٹ ''رب'' اور ''اللہ'' کو دو علیحدہ علیحدہ ذاتیں قرار دینے کے وسوسے کو فلسفیانہ انداز میں آگے بڑھاتا ہے۔ وہ ان سورتوں کا ذکر کرتا ہے جن میں خدا کی توحید کا بیان ہے اور جو ان کے حساب سے ابتدائی سورتوں میں سے ہیں۔ وہ پہلے سورہ اخلاص لکھتا ہے اور پھر سورہ مزمل کی یہ آیات لکھتا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ؕ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَ كِيْلاً(39)

''اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ مالک ہے شرق و غرب کا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس بنائے رکھے اسی کو اپنا کارساز۔''

پھر منٹگمری واٹ اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس اصولی کے بیان کے اصل الفاظ میں لفظ ''اللہ'' کے استعمال سے گریز کا رجحان نظر آتا ہے۔ ''متاخر کلمہ شہادت'' میں جو ترکیب استعمال ہوئی ہے (یعنی لا الہ الا اللہ) وہ پورے قرآن میں تیس مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ گویہ بات مسلم ہے کہ یہ ترکیب جن مقامات پر استعمال ہوئی ان مقامات میں سے اکثر کی ابتدا میں ''اللہ'' کا لفظ بھی موجود ہے یعنی ''اللہ لا الہ الا ھو'' کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔

ایک اور حیران کن حقیقت جس کا ''اللہ'' کے لفظ کے استعمال سے گریز کے ساتھ گہرا تعلق نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب ''رحمٰن'' کا لفظ ''اللہ'' کے لفظ کی جگہ لے رہا تھا۔ تسمیہ کے علاوہ ''الرحمٰن'' کا لفظ قرآن حکیم میں پچاس مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے چالیس مرتبہ یہی لفظ ان سورتوں میں استعمال ہوا ہے جو ''بلیشر'' کی ترتیب کے مطابق مکی دور کے دوسرے حصے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیا یہ رجحان ان مشکلات کا نتیجہ ہے جو خدا تعالیٰ کیلئے ''اللہ'' کا نام استعمال کرنے سے پیدا ہو رہی تھیں؟'' (1)

منٹگمری واٹ صاحب مندرجہ بالا اقتباسات میں جو وسوسہ پیدا کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں ممکن ہے وہ کئی لوگوں کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔ کیونکہ وسوسہ ڈالنے والے کا مقصد کچھ سمجھانا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد ذہنوں اور دلوں میں قرار پذیر خیالات اور عقائد کو متزلزل کرنا ہوتا ہے۔

مستشرق مذکور مندرجہ بالا عبارتوں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ خالق کائنات کا نام ''اللہ'' میں طلوع اسلام سے پہلے متعارف تھا لیکن ان کے ہاں توحید کا تصور نہ تھا۔ عربوں کا عقیدہ یہ تھا کہ بے شمار خدا ہیں جن میں سے ''اللہ'' سب سے بڑا ہے۔ اسلام چونکہ توحید کا دین تھا اس لئے حضور ﷺ اپنے دین توحید میں خدائے واحد کے لئے وہ نام استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے جو نام مشرکانہ ماحول میں متارف تھا۔ اس لئے آپ نے ''اللہ'' کی جگہ کبھی ''ربک'' کبھی ''ربکم'' کبھی ربہ اور کبھی ''ربھم'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب ''اللہ'' کی جگہ ''الرحمٰن'' کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

اس ساری وسوسہ اندازی کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ یہ محمد ﷺ کے ذہن کی اختراع ہے۔ چونکہ انسانی ذہن ماحول سے متاثر ہوتا ہے اور کسی صورت میں بھی اپنے اردگرد پیش آنے والے حالات اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماحول سے متاثر ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ حضورﷺ کا جس قوم سے واسطہ تھا ان میں توحید کا ایک غری واضح سا تصور پہلے سے موجود تھا اس لئے آپ نے ابتداء میں نہ تو خدا کی توحید کو پر زور انداز میں بیان کرنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی بت پرستی کی مخالفت کو کوئی اہمیت دی۔

یہ مستشرقین ہی کا کمال ہے کہ انہوں نے ایک ایسی کتاب، جس کا مرکزی خیال ہی توحید کا اثبات اور شرک کی نفی ہے، اسے اپنے تخیل کے زور سے توحید سے بے نیاز اور بت پرستی کے قریب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی ان بے شمار آیات کو نظر انداز کر دیا جو توحید کا اعلان اور بت پرستی کا قلع قمع کر رہی ہیں۔ حضورﷺ کی سینکڑوں احادیث جو شرک و بت پرستی کے خلاف اور توحید کے حق میں ہیں، وہ بھی مستشرقین کی توجہ کو اپنی طرف مبذول نہیں کرا سکیں۔ تاریخ کے وہ صفحات جو یہ بتا رہے ہیں کہ حضورﷺ کے خلاف سارا مکہ اس لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ آپ نے ان کے بتوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی، وہ بھی مستشرقین کو نظر نہیں آتے۔ لیکن صدیوں بعد کے چند مستشرقین نے اپنے مزموم مقاصد کے حصول کے لئے نزول قرآن کی جو ترتیب لکھی ہے وہ انہیں صحف سماوی سے بھی زیادہ مستند نظر آتی ہے۔ اور اس جعلی ترتیب کے بھروسے پر وہ اسلام کے تمام زریں اصولوں کو بعد کے اضافے قرار دیتے ہیں اور ابتدائی قرآن کو توحید کے تصور سے خالی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

انہیں ابتدائی قرآن میں نہ بتوں کی مخالفت نظر آتی ہے۔ نہ انہیں وہاں کثرت سے اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کا استعمال نظر آتا ہے۔ ''رب'' اور ''رحمٰن'' کے الفاظ ک استعمال انہیں کھٹکتا ہے اور انہیں ان الفاظ کے استعمال کی وجہ سے یہ نظر آتی ہے کہ حضورﷺ بعض مشکلات کے پیش نظر لفظ ''اللہ'' کا عام استعمال خلاف مصلحت سمجھتے تھے اس لئے اس لفظ کی جگہ دوسرے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

منٹگمری واٹ ایک مشہور مصنف ہے۔ یہ شخص یقیناً ادبی ذوق سے محروم نہیں ہوگا۔ لیکن برا ہو حسد اور تعصب کا کہ اس نے یورپ کے ایک مشہور ادیب اور قلمکار کے قلم سے ایک ایسی بات نکلوادی ہے جو ہر اس شخص کے جذبات کو مجروح کرتی ہے جس کو ادب کے ذوق لطیف میں سے معمولی سا حصہ بھی ملا ہو۔

وہ ''اللہ لا الہ الا ھو'' کو بھی ''اللہ لا الہ الا اللہ'' کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ قرآن جملوں میں ضمائر کے استعمال پر چیں بجبیں ہیں اور بضد ہیں کہ جملے میں ہر جگہ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر استعمال ہوتا ہے کہ اسم ظاہر کے استعمال سے گریز کا کوئی شائبہ نظر نہ آئے۔

منٹگمری واٹ کے اس طرز عمل کے جواب میں ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منٹگمری واٹ کو ''رب'' اور ''الرحمٰن'' کے الفاظ کا استعمال بھی مشتبہ نظر آ رہا ہے۔ اور وہ ان الفاظ کے استعمال کو بھی لفظ ''اللہ'' کے استعمال سے بچنے کا وسیلہ قرار دے رہے ہیں۔ اگر مسٹر واٹ نے اپنی تحقیق کی بنیاد قرآن حکیم کو ہی بنایا ہوتا تو یقیناً انہیں قرآن حکیم میں یہ آیات کریمہ نظر آ جاتیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (40)

''اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کے لئے بڑے خوبصورت نام ہیں۔''

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ص وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (41)

''اور اللہ ہی کے لئے ہیں نام اچھے اچھے۔ سو پکارو اسے ان ناموں سے اور چھوڑ دو انہیں جو کج روی کرتے ہیں اس کے ناموں میں۔ انہیں سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔''

منٹگمری واٹ سے پہلے بھی ایک دشمن اسلام تھا جس کا نام ابو جہل تھا۔ اس نے بھی ''اللہ'' اور ''الرحمٰن'' کو علیحدہ علیحدہ ذاتیں قرار دیا تھا۔ اس نے حضور ﷺ کے ''یا اللہ'' اور ''یا رحمٰن'' کا ورد کرنے پر اعتراض کیا (42) تو اس کے اعتراض کا جواب رب قدوس نے خود ان الفاظ میں دیا:۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (43)

''آپ فرمائیے: ''یا اللہ'' کہہ کر پکارو یا ''یا رحمٰن'' کہہ کر پکارو جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام ہی اچھے ہیں۔''

منٹگمری واٹ صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ آیت سورۃ بنی اسرائیل کی ہے جو مکی ہے۔ ابو جہل نے بھی حضور ﷺ کو مکہ میں ہی ''یا اللہ'' اور ''الرحمٰن'' کا ورد کرتے سنا ہوگا کیونکہ اسے مدینہ میں حضور ﷺ کو دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا۔

جب ایک مکی سورہ میں اللہ تعالیٰ اعلان فرما رہا ہے کہ اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے جس کے ساتھ بھی اسے پکارو وہی صحیح ہے تو مکی دور کی اس آیت کے بعد انہیں اللہ، رحمٰن، رب وغیرہ اسمائے حسنیٰ میں یہ فرق کیوں نظر آتا ہے؟ اگر منٹگمری واٹ کا مدا تحقیق حق ہوتا تو یقیناً قرآن حکیم کی یہ وضاحت کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتی۔ لیکن منٹگمری واٹ اور دیگر مستشرقین کا مقصد تو کچھ اور ہے جواب پوشیدہ نہیں رہا۔

منٹگمری واٹ صاحب نے ''نولڈک'' وغیرہ کی قرآن حکیم کی ترتیب نزولی کو اسلام کے خلاف اپنی تحریروں میں خوب استعمال کیا ہے۔ اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آج مسلمانوں کے ہاں ان کی جو تاریخ مشہور ہے وہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک زمانے کے بعد موجودہ شکل میں صورت پذیر ہوئی ہے۔ان کے عقائد کی طرح ان کی عبادت بھی متاخر دور کی پیداوار ہیں۔اگر منٹگمری واٹ صاحب کی یہ باتیں مان لی جائیں تو اسلامی دعوت کے ابتدائی زمانہ میں کوئی بھی چیز ایسی نظر نہیں آئے گی جس کا تعلق اسلام کی بنیادی باتوں سے ہو۔

مستشرقین کی اس قسم کی تمام تحریروں کے اقتباسات یہاں نقل کرنا ممکن نہیں۔ہم ان کی کچھ تحریروں کی طرف محض اشارہ کریں گے اور ان کی کچھ تحریروں کے مختصر اقتباسات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کریں گے تا کہ مسلمانوں کو پتہ چل سکے کہ ان کے دین کے دشمن کس انداز میں ان کے دین کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں۔

منٹگمری واٹ قرآن اور ''الکتاب'' کو بھی دو علیحدہ علیحدہ چیزیں قرار دیتا ہے اور اپنے مستشرق بھائی رچرڈ بیل کے حوالے سے لکھتا ہے کہ محمد (علیہ السلام) نے اپنی دعوت کے ابتدائی سالوں میں، گو بالکل آغاز نبوت سے نہ سہی، اپنے الہامات کو قرآن کی شکل میں ترتیب دینے کے متعلق سوچا تھا لیکن مدینہ میں دو سال کے قیام کے بعد انہوں نے ایک کتاب مرتب کرنے کے متعلق سوچا جسے وہ اپنی قوم کے سامنے پیش کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔منٹگمری واٹ کی چند سطریں ملاحظہ فرمایئے۔لکھتا ہے:

"One thing that is clear, however, is that in his closing years at Medina Muhamamd had moved far beyond thinking that his function was to be, only a warner, and now regarded it as includign teh production of "the Book "Which was to be the scripture o his community".(44)

''البتہ ایک بات واضح ہے کہ مدینہ میں اپنے آخری سالوں میں محمد علیہ السلام اپنے آپ کو صرف ''نذیر'' سمجھنے سے بہت آگے نکل گئے تھے اور اب وہ ایک ''الکتاب'' کی تیاری بھی اپنا فرض سمجھتے تھے جو ان کی امت کا صحیفہ قرار پا سکے۔''

اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے منٹگمری واٹ یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ اپنی دعوت کی ابتداء میں صرف پانچ تصورات حضور علیہ السلام کے پیش نظر تھے۔

۱۔ خدا کی قدرت اور رحمت کا تصور

۲۔ یوم قیامت کا جواب دہی کا تصور

۳۔ خدا کے شکر اور اس کی عبادت کا تصور

۴۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کا تصور

۵۔ یہ تصور کہ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرانا آپ کا فرج اور ذمہ داری ہے۔یہ لکھنے کے بعد منٹگمری واٹ لکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"The other aspects of his vocation do not come into the earliest passagers". (45)

''آپ کے منصب کے دیگر پہلوؤں کا ذکر قرآن کی ابتدائی سورتوں میں نہیں ملتا''۔

مستشرق مذکور اسی نظریئے کو ذرا اور آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابتدائی قرآن خدائی عبادت اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب کے علاوہ مہذب انسانی رویہ کے باقی اصولوں کو بالکل نظرانداز کر دیتا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ مستشرقین دوپہر کے وقت نصف النہار پر پوری آب وتاب کے ساتھ چمکتے ہوئے آفتاب کی روشنی کا کس ڈھٹائی سے انکار کرتے ہیں۔ منٹگمری واٹ کی کتاب ''محمد۔ پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین'' کا یہ جملہ ملاحظہ فرمایئے:

"There is is nothign about respect for lief, Property, parents and marriage or the avoding of false witness" (46)

''(قرآن کی ابتدائی سورتوں میں) جان و مال کے احترام، والدین کے ادب، شادی اور جھوٹ گواہی دینے سے بچنے کے متعلق کچھ بھی نہیں ہے۔''

اقامت صلوٰۃ پر قرآن حکیم نے جتنا زور دیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ مستشرق مذکور کس طرح نماز کو بھی حضورﷺ کے بعد کی اختراع قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''اپنی دعوت کے ابتدائی مراحل محمدﷺ ک اس بات کا احساس تھا کہ ان کی طرف قرآن کی شکل میں جو پیغام نازل ہو رہا ہے وہ یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات کے مشابہ ہے۔ غالباً وہ اپنے دعوی نبوت کا مفہوم یہ لیتے تھے کہ ان کا پیگام پہلے پیغمبروں کے پیغام سے ملتا جلتا ہے۔ انہوں نے غالباً ہجرت مدینہ کے بعد اپنی مذہبی رسوم کو متعارف کرانا شروع کیا۔ مثلاً مسلمانوں کا باہم لڑائی سے اجتناب اور مہاجرین کے ساتھ فیاضی اور مہمان نوازی کا سلوک۔ اس وقت عام مسلمانوں سے مذہبی فریضے کے طور پر جس بات کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ بات صرف یہ تھی کہ مسلمان جمعہ کی نماز میں حاضر ہوں۔ وہ لوگ جو مذہب کے معاملیمیں زیادہ جوشیلے تھے شاید وہ صبح، شام اور دن کی نماز بھی پڑھتے ہوں لیکن اس بات کا کوئی عمدہ ثبوت موجود نہیں کہ زمانہ مابعد کے اسلام کی نماز پنجگانہ، محمدﷺ کی زندگی میں مقرر ہو چکی تھی۔ البتہ صلوٰۃ اللیل جو مکہ میں کئی مسلمانوں میں مقبول تھی، ہجرت کے بعد جب مسلمان دنیوی معاملات میں زیادہ مصروف ہو گئے تو اسے وحی کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔''(47)

ملاحظہ فرمایئے! کہ مستشرقین نماز، احترام جان و مال، والدین کے ادب شادی بیاہ کے قوانین اور جھوٹی گواہی سے اجتناب کے اسلامی ضابطوں کو تحریک اسلامی میں عمل ارتقاء کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہا گر یہ ساری چیزیں بعد کی پیداوار ہیں تو صدیق و فاروق، عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان غنی رضی اللہ عنھم جیسے دیدہ ور کیا دیکھ کر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے؟ اور بلال و یاسر نے اسلام کی کس خوبی کی بنا پر نا قابل بیان مصیبتیں جھیلی تھیں؟

مستشرقین کی تحقیق کا انداز ہی نرالا ہے۔ وہ اسلام کی تاریخ، تفسیر اور حدیث کے سارے علمی سرمائے کو نا قابل اعتماد قرار دے دیتے ہیں اور قرآن حکیم کو تاریخ کی کتاب قرار دے کر اس کی مدد سے تحریک اسلامی کی ارتقائی تاریخ مرتب کرتے ہیں۔ اناجیل اربعہ میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی مذکور ہیں اس لئے وہ قرآن حکیم میں بھی وہی رنگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ اناجیل اربعہ میں تو تاریخ کے سوا کچھ بھی نہیں جب کہ قرآن حکیم علوم و معارف کا ایک بحر بے کراں ہے۔ اس میں ہر علم کے بنیادی اصول مل جاتے ہیں لیکن یہ کتاب کسی ایک علم کی تفصیلات کو اپنا موضوع نہیں بناتی۔ یہ عبرت و موعظت کی کتاب ہے اور جملہ علوم میں سے جو کچھ عبرت کے لئے ضروری اور مفید ہو سکتا ہے یہ کتاب اسی کے بیان پر اکتفاء کرتی ہے۔

مستشرقین کا مندرجہ ذیل بالا انداز تحقیق نہ عملی ہے اور نہ ہی نیک نیتی پر مبنی ہے۔ جسے السام کے خلاف اعتراض کرنا ہے وہ اسلام کے ان عقائد اور تعلیمات اور اعتراض کرے جن کو ملت مسلمہ نے چودہ سو سال سے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے کہا اور جن عقائد و تعلیمات کی تفصیلات ان کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں جو مسلمانوں کی چودہ سو سالہ محنت کا ثمر ہیں۔

مستشرقین اتنے انجان بھی نہیں۔ وہ آئین اور قانون کی کتابوں میں فرق کو سمجھتے ہیں۔ آئین میں قومی زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلے کے لئے قانون موجود نہیں ہوتا بلکہ آئین میں قانون سازی کے صرف بنیادی اصول موجود ہوتے ہیں۔ ان اصولوں کے تحت پارلیمنٹ تفصیلی قوانین وضع کرتی ہے۔ عدالت ان قوانین کی تشریح کرتی ہے اور عدالت کی تشریح بذات خود قانون کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔

قرآن حکیم امت مسلمہ کے لئے کتاب دعوت ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے ایک دستور بھی ہے۔ ابتدائی ضابطے یہ کتاب مہیا کرتی ہے اور ان کی تفصیلات احادیث طیبہ اور علمائے امت کی اجتہادی مساعی سے مرتب ہوتی ہیں۔ نماز قائم کرنے کا حکم قرآن دیتا ہے اور اس حکم کی تفصیل خدا کا محبوب رسول اپنے قول اور عمل سے بتاتا ہے۔ امت مسلمہ میں چودہ سو سال سے تواتر کے ساتھ نماز کے حکم کا نقل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان جس طرح آج نماز ادا کر رہے ہیں صدیق و فاروق رضی اللہ عنھما بھی اسی طرح انمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ احترام جان و مال اور والدین کے ادب پر جو زور اسلام نے دیا ہے وہ کسی دوسرے مذہب نے نہیں دیا۔ جھوٹی گواہی سے اجتناب پر جتنا زور اسلام نے دیا ہے، عیسائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرات پہلے ثابت کریں کہ ان کے مذہب نے اس پر اسلام کی نسبت زیادہ زور دیا ہے اور اس کے بعد اسلام پر اعتراض کریں کہ اس نے اس معاشرتی قدر کی پروانہیں کی۔

کسی نظام کو اس کی اجتماعی حیثیت میں دیکھ کر ہی اس کے مفید یا بے کار ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام ایک دین ہے جس نے انسانی زندگی میں دوررس اور ہمہ گیر تبدیلیاں کیں۔ اسلام جن حالات میں ظاہر ہوا وہ مستشرقین کے سامنے ہیں۔ ساری دنیا بالعموم اور عرب قوم بالخصوص ہر قسم کی فکری اور عملی گمراہیوں کی دلدل میں سر سے پاؤں تک ڈوبی ہوئی تھی۔ ان حالات میں صورت حال کی اصلاح کے لئے تدریجی تبدیلی ہی حکمت کا تقاضا تھا۔ اگر اسلام کے تمام اوامر و نواہی جن کا تعلق انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں سے تھا، ان کو بیک جنبش قلم نافذ کر دیا جاتا تو اس کے نتائج یقیناً مثبت برآمد نہ ہوتے۔

اسلام نے بگڑے ہوئے انسانوں کی پہل انفرادی اصلاح کی اور پھر انہیں ایک منظم قوم کی شکل میں ساری انسانیت کی راہنمائی کے کام پر لگا دیا۔ اگر اسلام انسانوں کی انفرادی اصلاح سے پہلے انہیں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور خدا کی زمین پر اس کی حکومت کا جھنڈا لہرانے کے کام پر لگا دیتا تو اس کا نتیجہ وہی ہوتا جو آج کل کی اصلاحی تحریکوں کا ہوتا ہے ایسی تحریکیں جن میں فکری اور عملی بے راہروی میں مبتلا لوگ دوسروں کو صراط مستقیم کی طرف بلانے کی بیڑا اٹھا لیتے ہیں۔

اسلام کے احکام واقعی تدریجی طور پر نازل ہوئے۔ جن باتوں کا تعلق اعتقادات اور اصلاح ذات کے ساتھ تھا ان کو پہلے نازل کیا گیا اور جن کا تعلق تشکیل جماعت اور جماعت کی ملی ذمہ داریوں سے تھا وہ احکام اس وقت نازل ہوئے جب مسلمانوں کے دل اور ضمیر شیشے کی طرح صاف ہو چکے تھے جب ان میں اطاعت رسول کا جذبہ اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ شراب جیسی مرغوب شے کو پاؤں کی ٹھوکر لگانے کے لئے انہیں اپنے محبوب نبی کے صرف ایک اشارہ ابرو کی ضرورت تھی۔

اگر ان لوگوں کے نفوس کی اصلاح سے پہلے یہ حکم صادر کیا جاتا تو اس کا نتیجہ وہی نکلتا جو آج کے ترقی یافتہ دور میں ان کوششوں کا ہوتا ہے جو شراب نوشی کی لعنت کو روکنے کے لئے یورپ اور امریکہ کی حکومتیں کرتی ہیں۔ قرآن حکیم کے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہونے میں بھی یہی حکمت تھی اور اسلامی اوامر نواہی میں تدریج کا اصول بھی اسی لئے اپنایا گیا تھا۔ لیکن اس تدریج کی وجہ سے اسلام کو اپنے ابتدائی ایام میں عقیدہ توحید شرک کی نفی نماز اور بنیادی اخلاقی اقدار کی تعلیمات سے محروم ثابت کرنے کی کوشش کرنا جہالت اور ظلم کی انتہا ہے۔

مستشرقین نے سارے اسلامی ادب کو ٹھکرا کر اپنے نظریہ ارتقاء کی روشنی میں مسلمانوں کی دینی تاریخ بھی مرتب کی ہے اور اہم پر یہ انکشاف کیا ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کو پتہ نہ تھا کہ ابراہیم کون ہیں۔ نہ انہیں یہ علم تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ حضرت ابراہیم کا عربوں کے ساتھ کوئی تعلق تھا۔ نہ ان کو یہ علم تھا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کی تھی۔ یہ سارے حقائق مسلمانوں کو اس وقت معلوم ہوئے جب مسلمانوں کا یہود ونصاریٰ کے ساتھ رابطہ ہوا۔

اگر مستشرقین کی یہ بات سچ ہے تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیھما السلام کے متعلق اسلامی اور یہودی روایات میں جو اختلافات ہیں ان کا سبب کیا ہے؟ کیا مستشرقین اس سوال کا یہ جواب دینے کیلئے تیار ہیں کہ مدینہ کے گردونواح میں میں ایسے یہودی عالم موجود تھے جو ابراہیم واسماعیل علیھما السلام کے متعلق وہی عقائد رکھتے تھے جو اب مسلمانوں کے ہاں مروج ہیں اور مسلمانوں نے یہ عقائد انہی سے اخذ کئے تھے؟

اگر مستشرقین اس سوال کا یہ جواب دیں تو اس سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ قرآن حکیم نے انبیائے کرام کے جو حالات بیان کئے ہیں وہ یہود ونصاریٰ کے علمائے حق کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ اور موجودہ بائیبل میں جو بیانات قرآنی بیانات سے مختلف ہیں وہ قسیسین وہ رھبان کی تحریفی کوششوں کا نتیجہ ہیں اور ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

مستشرقین یقین رکھیں کہ وہ اسلام کو مٹانے کے لئے جتنی کوششیں کریں گے وہ اتنا ہی نکھر کر سامنے آئے گا۔ اس میں مسلمانوں کا کوئی کمال نہیں یہ اسلام کا اپنا کمال ہے۔ کیونکہ اسلام حق ہے اور جب حق جلوہ نما ہوتا ہے تو باطل خود بخود مٹ جاتا ہے۔

تعارف مولف:

اولیائے کرام وہ قدسی صفت لوگ ہیں جو علم دین کے حصول کے بعد اس پر عمل کر کے دنیا میں ہدایت الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور ان کے اس دنیا سے پہلے جانے کے بعد دنیا ان کے مزارات سے ہدایت اور دین کا جذبہ حاصل کرتی ہے۔

انہی اولیائے کرام کی فہرست میں عظیم علمی روحانی شخصیت مفسر قرآن. مفکر اسلام بناض عصر ضیائے الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری کا نام شمار ہوتا ہے جنہوں اپنے افکار کردار سے ایسے چراغ روشن کیے کہ "ضیاءالامت" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ انہوں ں نے علم وعرفان کا ایسا گہوارہ قائم کیا جہاں سے ہر شخص اپنی فکر ونظر کے مطابق حصہ حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن فہمی کا ایسا انداز اختیار کیا کہ کتاب ہدایت کے عربی زبان کے نقاب میں چھپے راز آشکار ہوئے ۔ محبت رسول ﷺ میں ڈوب کر سیرت سرور کائنات لکھی جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ قاری کا رشتہ اپنے آقا ومولا سے ملا دیتی ہے۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری یکم جولائی ۱۹۱۸ کو بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں اس عالم رنگ وبو میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپکے والد ماجد غازی سلام پیر محمد شاہ اور جد امجد حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہ اپنے دور کے عظیم صوفی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باعمل بزرگ تھے ان دو حضرات نے آستانہ عالیہ سیال شریف سے روحانی فیض نسب حضرت غوث بہاوالحق زکریا ملتانی سے مل جاتا ہے جو برصغیر میں تبلیغ دین کے ہراول دستے کے سرخیل تھے۔ مزین برآں روحانی سلسلہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے ملتا ہے۔ حسب ونسب اور نسبت و بیعت کے حسین بندھن سے آپ کی ذات حضرت خواجہ ملتانی اور خواجہ اجمیری کی تعلیمات کی امین اور ان کے کردار کا حسین پرتھی۔ پیر صاحب نے اپنے دور کے نامور اہل قلم حضرات سے کسب فیض کیا اور درس حدیث کے لیے اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ مجاز اور علم وعشق کے جامع صدالافضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرآدآبادی کی خدمت میں خاطر ہوئے۔ درس حدیث کی تکمیل پر استاد کامل نے اپنے ہونہار شاگرد کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ " آج مطمئین ہوں کہ میرے پاس جو علمی امانت تھی وہ میں نے موزوں فرد تک پہنچادی ہے " آپ کے والد ماجد نے مزید تعلیم کے لیے آپ کو عالم اسلام کی قدیم وعظیم درسگاہ جامعۃ الازہر مصر بھیجا جہاں سے امتیازی نمبروں سے کامیاب ہو کر وطن لوٹے۔ حضرت صاحب مصر کے قیام کے بارے میں فرماتے "میری زندگی میں کئی راتیں ایسی آئی ہے جب عشاء کی نماز کے بعد مطالعہ میں مصروف ہوتا اور کتابیں اپنے اسرار و رموز میرے سامنے منکشف کرتی جاتیں اور اسی محویت کے عالم میں صبح کے موذن کی آواز راتوں کی تنگ دامنی کا احساس دلاتی" جامعہ الازہر سے واپسی کے بعد آپ نے والد ماجد کے قائم کردہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کی نشاۃ ثانیہ فرمائی اور اس کے نصاب میں انقلاب آفریں تبدیلیاں فرمائیں۔ قرآن مجید ہدایت اور قیامت تک رہنمائی کا آخری دستور ہے۔ اسے عربی میں نازل کیا گیا ہے اور عربی نہ سمجھنے والوں کے لیے علماء نے اس کے تراجم وتفاسیر لکھی ہیں۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری نے بھی ۱۹ سال کی محنت سے اردو زبان میں "ضیاء القرآن" کے نام سے ۵ جلدوں میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔ ضیاء القرآن کا ترجمہ قرآن پاک سے نقاب کشائی کرتا ہے وہیں ان معانی کو اس حسین انداز میں پیش کرتا ہے کہ اُردو زبان میں بھی لذت وتاثیر ملتی ہے۔

جو قرآن کریم کا خاصہ ہے۔ حضرت پیر صاحب کے نزدیک قرآن کتاب ہدایت ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر آپ کی کتاب "ضیاء النبی" اردو کتب وسیرت میں اضافہ ہے۔ ضیاء النبی میں سیرت سیرت النبی ﷺ کی اصل روح یعنی محبت واطاعت رسول ﷺ کا جذبہ وافر مقدار میں ملتا ہے۔ مختلف مواقع پر پڑھے جانے والے مقالات کا ترجمہ اور مختصر شرح، دلائل الخیرات کا ترجمہ آپ کی علمی ثقاہت کے شاہکار ہیں۔ آپ نے اسلامی پیغام کے فروغ کے لیے 1971 میں ماہنامہ ضیائے حرم کا اجراء کیا جو مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

ضیائے حرم کا اداریہ آپ خود "سردلبراں" کے نام سے لکھتے تھے جو ادبی شاہکار اور حالات کی سچی تصویر ہوتا۔ آپ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے ممبر اور چیئرمین بھی رہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے لیے باعث فخر اور منارہ نور ہیں آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شخصیت جامع الصفات تھی۔ آپ ایک مدرس، مبلغ، مقرر، مفسر، سیرت نگار، ماہر تعلیم، صاحب طرز ادیب بے باک صحافی، عادل جج، پیر کامل ہونے کے ساتھ ساتھ سچے رسول تھے اور ہمیشہ اسی نسبت پر نازاں رہتے۔

یہی وہ نعمت ہے جس کے مقابلے میں دنیا و مافیہا کی حیثیت پرکاہ بھی نہیں رہتی اور قدرت نے عشق رسول ﷺ کی دولت سرمدی حضرت ضیاء الامت کو اس قدر فیاضی سے عطا کی تھی کہ حیات مستعمار کے کسی لمحہ میں بھی آپ نے اپنے دل میں کسی اور کو جگہ نہ دی۔

آپ نے اپنے درس تقریر، تبلیغ تحریر غرض یہ کہ ہر جگہ محبت رسول ﷺ کا ہی درس دیے۔ آپ حضور کا ذکر مبارک سن کر جھوم اٹھتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھری لگ جاتی جب آپ حدیث شریف کا درس دیتے تو امام مالک کے عشق سے معمور درس کی یاد آجاتی۔ آپ کی زندگی اور تعلیمات میں ہمیں فکر و عمل کی وہ راہیں نظر آتی ہیں جن پر عمل سے ہم دائمی فوز و فلاح کے مستحق بن سکتے ہیں۔

آپ ۷ اپریل 1998 کو عید الاضحی کی رات دار البقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال ۱۹، ۲۰ محرم الحرام کو تمام شرعی پابندیوں کے ساتھ منعقد ہوتا ہے جس میں ایک تربیتی کنونشن کی طرز پر دور دراز سے آنے والے زائرین و معتقدین کو رہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت پیر محمد امین الحسنات شاہ نے سجادہ نشینی کی مسند سنبھالی۔

حوالہ جات

1۔ سورۃ البقرہ : 216
2۔ سورہ الفرقان:04
3۔ سورہ الفرقان:5
4۔ سورہ الفرقان:5
5۔ سورہ النحل:103
6۔ جارج سیل "The Korean" (نیویارک ـ 1980)، صفحہ 48
7۔ جارج سیل "The Korean" صفحہ 50
8۔ آرتھر جیفری، "اسلام، محمد اینڈ ہز ریلیجن،" (انڈیانا ـ 1979) صفحہ 47
9۔ محمد، پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین، "صفحہ 14
10۔ محمد، پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین، "صفحہ 17
11۔ ضیا، صفحہ 39

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

12۔ محمد: پرافٹ اینڈ سٹیٹمین، صفحہ 40

13۔ محمد: پرافٹ اینڈ سٹیٹمین، صفحہ 41

14۔ وہ محض ظن (وتخمین) سے کام لے رہے ہیں

15۔ اور نہیں وہ مگر اٹکلیں دوڑا رہے ہیں

16۔ سورہ النحل 103

17۔ (پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، پبلی کیشنز لاہور) جلد 2، صفحہ 603-4

18۔ "دی بائیبل" دی قرآن اینڈ سائنس"، صفحہ 67

19۔ دی بائیبل "دی قرآن اینڈ سائنس"، صفحہ 6

☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com